نبیلہ ابر راجہ

چھٹی قسط

"انکل.... انکل... کیا ہوا ہے۔" اس نے ہذیانی انداز میں سینے پہ رکھا گیا ان کا ہاتھ ہٹایا' انہیں جھنجوڑا۔ ان کا سانس جیسے سینے میں اٹک گیا تھا۔

"میں کسی کو بلا کے لاتی ہوں۔" زیان نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے تسلی دی۔ وہ جانا چاہ رہی تھی پر انہوں نے کمزور گرفت سے اسے روکنے کی کوشش کی اور کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے پورے کمرے میں نظر دوڑائی' جانے وہ کس کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ انہوں نے اس کی بے چارگی اور پریشانی دیکھتے ہوئے ایک بار پھر اشارہ کیا۔ اس بار وہ سمجھ گئی۔

ان کا اشارہ سائیڈ ٹیبل پہ پڑے انہیلر کی طرف تھا۔ ملک جہانگیر کو دمہ بھی تھا کافی عرصے سے انہیں یہ مرض چلا آرہا تھا۔ سردیوں میں تو ان کی حالت قابل رحم ہوتی۔ صرف اس سال سردیوں کے موسم میں وہ دوبار ہسپتال ایمرجنسی میں رہ کر آئے تھے۔ زیان نے بھاگ کر پھرتی سے انہیلر اٹھایا اور ان کی ناک سے لگایا۔

اتنے میں افشاں بیگم اور ملک ایبک کمرے میں داخل ہوئے۔ افشاں بیگم نماز پڑھ رہی تھیں۔ نماز ختم کرنے کے بعد نوکرانی نے انھیں زیان کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ اسی کی طرف جارہی تھیں جب' ملک ایبک سے سامنا ہوا۔ انہوں نے بیٹے کو بھی زیان کی آمد کا بتایا۔ ان کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ ایبک کو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔

زیان انہیلر ناک سے لگائے۔ ان کی مدد کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ ملک ایبک پریشانی سے ملک جہانگیر کی طرف بڑھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ بابا جان کو دمہ کا اٹیک ہوا ہے۔ اگلا پندرہ منٹ میں زیان کے ساتھ ساتھ اس کی بھی بھرپور کوشش سے ملک جہانگیر کی حالت سنبھل چکی تھی۔ اب وہ پرسکون تھے۔ انہیں دمہ کا اٹیک ہوا تھا۔ ایبک نے فارغ ہو کر سب سے پہلے اے سی بند کیا۔

"بیٹی کیسی ہو' تم کب آئیں۔ میں نماز پڑھ رہی تھی' نوکرانی نے مجھے بتایا کہ تم آئی ہو تو نماز پڑھ کر فوراً" ادھر آئی ہوں۔ تم بھی کہتی ہوگی کہ آتے ہی پریشانی سے واسطہ پڑ گیا۔" ان کا اشارہ ملک جہانگیر کی اچانک بگڑ جانے والی طبیعت کی طرف تھا۔ انہوں نے قریب آکر زیان کا ماتھا چوما۔

"ادھر یہاں میرے پاس بیٹھو۔" افشاں بیگم نے اپنے پاس اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ مڑی تو کمر پہ گرے بالوں کے آبشار نے خاص ردھم میں ہلکورے لیے۔

"نہیں آنٹی اس میں پریشانی کیسی' بلکہ میں گھبرا گئی تھی۔ آپ کو بلانے کے لیے آنے ہی والی تھی کہ آپ لوگ خود ہی آگئے۔" اس نے مدھم آواز میں وضاحت دی۔ ایبک نے اس کی طرف دیکھا' پر ادھر تو لفٹ کا بورڈ آویزاں تھا۔ حالانکہ اس نے زیان کو بڑی گرمجوشی سے سلام کرکے حال احوال دریافت کیا تھا۔

نوکرانی نے کمرے میں داخل ہو کر آہستہ آواز میں افشاں بیگم سے کچھ کہا۔ زیان اس طرف متوجہ نہیں

تھی۔ اس لیے سن نہیں پائی۔

"آؤ زیان بیٹی ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں یہاں ملک صاحب آرام کررہے ہیں۔"

"تو یہاں ادھر ان کے پاس کون ہوگا؟" اس نے فوراً سوال کیا۔

"دراصل میں انکل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے پوچھا ہے۔" افشاں بیگم کی نگاہیں خود پہ مرکوز دیکھ کراس نے وضاحت کی۔

"یہاں ایبک ہے نا، تم فکر مت کرو۔" انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ سمیت اپنائیت بھری نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا۔ زیان نے ان کی معیت میں قدم آگے بڑھادیے۔

ڈرائنگ روم میں بڑی ٹیبل اشیاء خورد و نوش سے پوری طرح بھری ہوئی تھی۔ افشاں بیگم نے اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی اس کے لیے بڑی پلیٹ خوب بھردی۔

"آج تمہیں کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی۔" انہوں نے اسے اپنے ارادوں سے خبردار کیا۔

"آنٹی میں نے ابھی اتنا کچھ کھالیا ہے۔ رات کے کھانے کی توذرا ابھی گنجائش نہیں ہے۔"

"کہاں تم نے اتنا کچھ کھایا ہے' چکھا ہی تو ہے۔ تم کھاؤ پیو' میں باورچی خانے سے ہو کر آتی ہوں۔"

زیان کے لاکھ انکار کے باوجود انہوں نے اس کی ایک نہ مانی۔ اب باورچی خانے میں زیان کے لیے خاص طور پہ اہتمام ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔ افشاں بیگم اس کے پاس پھر سے آکر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے اسے اپنی فیملی فوٹو البم دکھائی۔ جس میں ان کی شادی کی لاتعداد تصاویر تھی۔ اس کے ساتھ ایبک کے بچپن اور جوانی کے بھی بہت سے فوٹو گرافس تھے جو اس نے عدم دلچسپی کے ساتھ صرف اور صرف افشاں بیگم کا دل رکھنے کے لیے دیکھے۔ وہ اسے ان فوٹوؤں کے ساتھ جڑی تاریخ بھی بتا رہی تھیں۔ بہت دیر بعد انہوں نے بھاری بھرکم فوٹو البم واپس رکھی۔

"آنٹی میں ذرا انکل کو ایک نظر دیکھ آؤں؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ افشاں بیگم کو ملک جہانگیر کے لیے اس کی پریشانی دیکھ کر خوشی ہوئی۔

"ہاں.... ہاں.... ضرور جاؤ میں بھی آرہی ہوں۔" انہوں نے بخوشی رضامندی کا اظہار کیا۔

انکل جہانگیر اب پہلے سے کافی بہتر حالت میں تھے اور ایبک کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔

"ادھر میرے پاس آکر بیٹھو پتر۔" زیان بیڈ کے پاس پڑی کرسی پہ بیٹھنے والی تھی' جب ملک جہانگیر نے بیڈ پہ اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کی زبان سے "پتر" کا لفظ ادا ہونے کے بعد زیان کو بہت اچھا لگا تھا۔ وہ ان کے حکم کی تعمیل میں ان کے پاس بیٹھ گئی۔ ملک جہانگیر نے اپنے کمزور ہاتھوں سے زیان کا موی سفید ہاتھ تھاما۔

"اس بچی نے آج میری بڑی مدد کی ہے۔ ذرا سی دیر ہو جاتی تو میرا سانس ہمیشہ کے لیے رک جاتا تھا۔" ملک جہانگیر کا مخاطب ملک ایبک تھا۔ وہ ایک سانس بولنے کے بعد لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔ افشاں بیگم بھی آچکی تھیں۔ "بہت خدمت گزار اور پیاری بچی ہے یہ۔" انہوں نے پیار بھری نگاہ اس پہ ڈالی تو وہ شرمندہ ہو گئی۔ کیونکہ کمرے میں موجود تینوں نفوس کی توجہ اس کی طرف تھی۔

"نہیں انکل ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے آپ کی چھوٹی سی ہیلپ کی ہے' کیونکہ آپ کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی نا۔" وہ اس توجہ سے گھبرا رہی تھی۔ افشاں بیگم اور ایبک اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر رہے تھے۔ پھر افشاں بیگم نے ہی اسے گھبراہٹ اور نروس پن کے حصار سے باہر نکالا۔ وہ زیان کو خصوصی طور پہ بہت زیادہ توجہ دے رہی تھیں۔ کچھ محسوس کرکے اور سوچ کر ایبک کے لب گھنی مونچھوں تلے مسکرا اٹھے۔

افشاں بیگم نے رات کے کھانے پہ ملک ارسلان اور عنیزہ کو بھی اپنی طرف بلوالیا تھا۔ ان دونوں کے آنے پہ زیان کی گھبراہٹ قدرے کم ہو گئی۔ ان سب کو باتوں میں مصروف چھوڑ کر زیان باہر آگئی۔ اندر کمرے میں بیٹھ کر وہ بور ہو گئی تھی۔ پھر افشاں بیگم کی حد درجہ توجہ اور محبت بھی اسے پریشانی کے ساتھ ساتھ شرمندگی و جھنجلاہٹ سے دوچار کر رہی تھی۔ اس نے منظر سے ہٹ کر سکون محسوس کیا۔

☼ ☼ ☼

ملک افتخار نے ارسلان کو اعلا تعلیم کے حصول کی خاطر بیرون ملک بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ ارسلان نے بجھے دل کے ساتھ عنیزہ کو یہ خبر سنائی۔ کتنی دیر تو وہ اسے بے یقینی کے عالم میں تکتی رہی۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو نا؟"

"کاش کہ یہ جھوٹ ہی ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہی ہے کہ میں بہت جلد پاکستان سے جا رہا ہوں۔" ارسلان کے لہجے میں گہری اداسی تھی۔

"لیکن تم تو اپنے بابا جان اور بھائی کو رشتہ مانگنے کے لیے 'ہمارے گھر بھیجنے والے تھے۔" عنیزہ نے شاکی نگاہوں سے تکتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"بابا جان ضرور آئیں گے تمہارے گھر میرا رشتہ لے کر۔ لیکن جب میں پڑھ کے ڈگری لے کے آؤں گا تب۔" ارسلان نے اسے دلاسا دیا۔

"میری تعلیم مکمل ہونے والی ہے۔ ابو جان کو میری شادی کی بہت زیادہ فکر ہے۔" عنبزہ نے مجبوری بتائی۔

"تم کہتی ہو تو میں جانے سے پہلے ان سے بات کرلوں۔" ارسلان نے اس کی اداسی بھری آنکھوں میں جھانکا۔

"نن نہیں.... رہنے دو۔ یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تم خود ان سے بات کرو۔"

"میں انتظار کرلوں گی۔" وہ آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے زبردستی مسکرائی۔

"تم آرام سے ہنسی خوشی مجھے الوداع کہوگی تو میں بھی یہ کڑا وقت تب ہی کاٹ پاؤں گا۔"

"نہیں تمہیں الوداع نہیں کہوں گی۔ مجھے الوداع کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے جیسے تم ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاؤ گے۔"

"تم پاگل ہو بس اور کچھ نہیں۔"

"ہاں مجھے پاگل کہہ لو' پھر میں تمہیں گڈ بائے نہیں کہوں گی۔"

"میں تمہیں گڈ بائے بول کے جاؤں گا۔" وہ اسے ستانے کے لیے بولا تو عنبزہ نے فوراً" اس کے لبوں پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

"پلیز ارسلان مجھے کبھی بھی گڈ بائے مت بولنا' میں جی نہیں پاؤں گی۔ مجھے تم سے بچھڑنے سے خوف آتا ہے۔" ارسلان اس پاگل سی لڑکی کو دیکھتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

افشاں بیگم بڑی دیر سے خاموش بیٹھیں اپنی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ملک جہانگیر ان کا ارتکاز محسوس کررہے تھے۔ وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ افشاں بیگم اپنی سوچوں کی محویت سے چونکیں۔

"کیا سوچ رہی ہو ملکانی؟" وہ بڑے موڈ میں تھے۔ تب ہی انہیں ملکانی کہہ کر مخاطب کیا۔

"ملک صاحب میں زیان کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہو پتا تو چلے۔"

"کل وہ جب تک یہاں تھی ہمارے گھر میں کتنی رونق تھی نا۔ پوری حویلی اس کے آنے سے جیسے بج سی گئی تھی۔"

"ہاں ملکانی اللہ نے ہمیں بیٹی نہیں دی' بیٹی دیتا تو وہ زیان جیسی ہوتی۔ محبت کرنے والی' خیال رکھنے والی۔ کل وہ میرے لیے اتنی پریشان تھی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے گھر میں بیٹی کی کمی محسوس ہوئی۔" وہ بولتے بولتے اداس سے ہوگئے۔

"ہم زیان کو بیٹی بنا سکتے ہیں۔" افشاں بیگم کا لہجہ پرسوچ تھا۔

"کیسے ہم اسے بیٹی بنا سکتے ہیں؟" وہ الجھے۔

"زیان خوب صورت ہے' پڑھی لکھی ہے عنبزہ کی بیٹی ہے' آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" افشاں بیگم نے ان کے سوال کو ذرہ بھر اہمیت نہیں دی تھی۔

"ملکانی مجھے لگتا ہے تم کچھ خاص سوچ رہی ہو؟"

"ہاں آپ ایسا کہہ سکتے ہیں۔" افشاں بیگم نے انہیں جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔

"لگتا ہے تم نے میرے دل کی بات سمجھ لی ہے۔ کل جب وہ آئی تو کمرے میں میرے پاس کوئی نہیں تھا۔ اس نے ڈھونڈ کر مجھے انہیلر دیا۔ سہارا دے کر اٹھایا۔ اس وقت وہ بہت پریشان نظر آرہی تھی۔ تب سے ہی میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں' بہت سلجھی ہوئی خاموش طبع بچی ہے۔" ملک جہانگیر کا انداز تعریفی تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں زیان' میں آج کل کی لڑکیوں والی بات ہی نہیں ہے' نہ کوئی نخرا' نہ چھچھورا پن۔ چپ چاپ رہتی ہے۔ ہمارے گھر آئی تو سب میں بیٹھ کر بھی خاموش رہی۔ سچ مانو تو میرا دل دکھ رہا تھا۔" افشاں بیگم کی بات پہ وہ تھوڑی دیر خاموش رہے

جیسے لفظ جمع کر رہے ہوں۔

"تو ملکانی صاحبہ کو زیان بیٹی بہت پسند آگئی ہیں۔"

کچھ دیر بعد وہ بڑے شگفتہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہاں میرا تو ارادہ ہے کہ ہم زیان کو بیٹی بنا کر اپنے گھر لے آئیں۔" جہانگیر کی طرف سے حوصلہ افزائی محسوس کرتے ہی افشاں بیگم نے اچانک دل کی بات کھل کے کہہ دی۔

"اس سے اچھی تو کوئی بات ہی نہیں ہوگی پھر۔۔۔ زیان عزت دار خاندان کا خون ہے، پھر اس کی ماں عنیزہ ہے۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"ملک صاحب سچ پوچھیں تو مجھے زیان پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی۔ میں نے دل میں سوچ لیا تھا اسے عنیزہ سے اپنے ایبک کے لیے مانگ لوں گی۔"

"ملکانی تم نے اتنے بڑے فیصلے اکیلے ہی کر لیے۔" ملک جہانگیر شرارت سے مسکرائے۔

"میں اکیلی رہ رہ کر تنگ آگئی ہوں اس لیے یہ فیصلہ کیا ہے۔ ایبک کی دلہن آئے گی تو میری تنہائی تو ختم ہوگی نا۔ آپ باپ بیٹے کو میری پروا ہی کب ہے۔ میں عنیزہ سے بات کرتی ہوں جلدی۔" افشاں بیگم شکوہ کناں انداز میں بولیں۔

"ایبک کی رائے لے لینا۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"میں آپ کی طرح نہیں ہوں کہ اٹھ کر بیٹے کو بتائے بغیر عنیزہ اور ارسلان کے پاس چلی جاؤں۔" ان کا اشارہ احمد سیال کے گھر جانے کی طرف تھا۔ وہ کھسیانے سے ہو کر مسکرائے۔ "میں ایبک سے بات کروں گی۔ ویسے میرا نہیں خیال کہ اسے اعتراض ہوگا۔ شہزادیوں جیسا حسن اور آن بان پائی ہے زیان نے، ایبک انکار کر ہی نہیں سکتا۔" افشاں بیگم کے یقین کا پیمانہ بھی عجیب تھا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئے۔ افشاں بیگم ابھی سے ہی ایبک اور زیان کے بارے میں مستقبل کے خواب بننا شروع ہو گئی تھیں۔ زیان کو وہ تصور کی آنکھ سے دلہن بنے گھر میں چلتے پھرتے دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ایبک ان کی پوری بات سننے کے بعد خاموش سے کچھ سوچ رہا تھا۔ افشاں بیگم کو الجھن سی ہو رہی تھی کہ جانے وہ خاموش کیوں ہو گیا ہے۔ کیا سوچ رہا ہے۔ بہت دیر توقف کے بعد اس نے خاموشی کا قفل توڑا۔

"امی زیان مجھے بہت مغرور لگتی ہے۔" افشاں بیگم کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ اس نے کیا اعتراض کیا تھا۔

"وہ مغرور نہیں ہے، بس زیادہ گھلتی ملتی نہیں ہے۔ نئی نئی یہاں آئی ہے تو مانوس ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔"

"ٹھیک ہے امی جیسی آپ کی مرضی۔"

"میری مرضی نہیں۔۔۔ زندگی تم نے گزارنی ہے فیصلہ اور مرضی بھی تمہاری ہوگی۔ ابھی میں نے صرف سوچا ہے زیان کا، جانے کی بات نہیں کی ہے۔"

"امی رسک لے لیتے ہیں۔" ایبک کا لہجہ آخر میں شرارتی ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں زیان کا کچھ دن پہلے کا "میں ہی میں ہوں۔" والا روپ لہرا گیا تھا۔ اس نے اپنی مسکراہٹ دبالی تھی۔

"میں عنیزہ اور ارسلان سے بات کروں گی جلدی۔"

"آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے امی؟" ایبک نے ان کو چھیڑا۔ ایبک کی رضامندی کے بعد ان کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔

"میں سارا دن اکیلی ہوتی ہوں، بات کرنے تک کو ترستی ہوں، میری بہو آئے گی تو تنہائیاں بانٹ لے گی میری۔" ان کا لہجہ محبت میں ڈوب گیا تھا متوقع بہو کے خیال سے ہی۔

☆ ☆ ☆

ملک ارسلان، زیان کی پرابلم سمجھ گئے تھے۔ وہ اسے خود سے سنبھلنے کا سوچنے کا موقع دے رہے تھے۔ ان کا رویہ محبت بھرا تھا، جس میں حد درجہ اپنائیت تھی۔ انہیں یقین تھا۔ ایک دن وہ ان کی محبت کی

قائل ہو جائے گی۔ وہ عنیزہ کی کوکھ سے تھی، لیکن انہیں کبھی حسد محسوس نہیں ہوا کہ بیج کسی اور کا بویا ہوا ہے۔ وہ اس سے اپنی سگی اولاد کا سا برتاؤ کر رہے تھے۔ رہ گئے ملک جہانگیر اور افشاں بیگم تو انہوں نے بڑی محبت سے اس کے لیے بازو وا کیے تھے۔ افشاں بیگم کو اس کی خوب صورتی بھا گئی تھی۔

اپنے سگے باپ کے گھر کے مقابلے میں وہ یہاں محفوظ تھی۔ ایبک اب گاؤں میں ہی تھا۔ اس کا ملک ارسلان کی طرف روز کا آنا جانا تھا۔ ذیان سے بھی آمنا سامنا ہوتا، پر اس نے ذیان پر کبھی بری نظر نہیں ڈالی تھی۔

ذیان کو اس بات پہ شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ وہ خوف و ڈر کے حصار سے نکل آئی تھی، پر ماضی کی تلخیوں کو وہ اتنی جلدی فراموش کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس کی اپنی عدالت اور انصاف تھا۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں موجود سب نفوس سہمے ہوئے تھے اور تو اور زرینہ بیگم بھی بے حد خائف تھیں، وہاب بری طرح گرج برس رہا تھا۔ اس کے ساتھ روبینہ بھی کینہ توز تیور چہرے پہ سجائے موجود تھیں۔

"خالہ سیدھی طرح بتادو کہاں ہے ذیان؟" وہ ایک بار پھر غصے سے غرایا۔

"بتایا تو ہے مجھے نہیں پتا کہاں ہے۔ گھر سے اپنی سہیلی کے ہاں جانے کا بول کر نکلی تھی، اب مجھے کیا پتا کہاں گئی۔"

"خالہ آپ نے پوچھا نہیں اس کی سہیلی سے۔" وہ ان کی بات پہ یقین نہ کرنے والے انداز میں بولا۔

"پوچھا تھا اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ یہاں آئی ہی نہیں۔"

"آپ نے کیا کیا پھر؟"

"میں نے کیا کرنا تھا۔ خاموش ہو گئی ہوں، اپنی عزت کے ڈر سے۔"

"یہ مت سمجھنا کہ میں ان باتوں کا یقین کر لوں گا۔ میں خود کھوج لگاؤں گا اور بوا اگر آپ کو کچھ پتا ہے تو بتا دیں۔ میں کسی کو کچھ بھی نہیں کہوں گا۔" وہ بات کرتے کرتے بوا کی طرف مڑا۔

"وہاب میاں مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔ سارا دن اپنے کام میں لگی رہتی ہوں۔" وہ خوف زدہ لہجے میں بولیں۔

"کمال ہے یہاں کسی کو کچھ پتا نہیں ہے۔ جیتی جاگتی جوان جہان لڑکی غائب ہو گئی ہے اور سب آرام سے بیٹھے ہیں۔" روبینہ طنزیہ تاثرات چہرے پہ سجائے زرینہ کو دیکھ رہی تھیں۔ زرینہ نے بڑی مشکل سے خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا۔ کیونکہ اس وقت ان کی پوزیشن کمزور تھی وہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی بے سائباں تھیں۔ آفاق جس نے بڑے ہو کر ان کا سہارا بننا تھا خود نادان اور کمسن تھا۔

وہاب ذیان کی گمشدگی کا سن کر آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اسی سلسلے میں اس نے عدالت لگائی تھی۔ روبینہ پوری طرح ساتھ دے رہی تھیں۔ اس لیے وہ اور بھی شیر ہو رہا تھا

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ ساتھ ٹیبل پہ پڑی ایش ٹرے سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھر چکی تھی۔ "اماں، ذیان بھلا خود سے گھر چھوڑ کر کہاں جا سکتی ہے؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے جیسے سوال کیا۔

"مجھے تو زرینہ پہ شک ہے کہ اسی نے کہیں ذیان کو ادھر ادھر کیا ہے، کیونکہ وہ کسی صورت بھی ذیان کی شادی تم سے کرنے کے حق میں نہیں تھی۔" روبینہ نے آج زرینہ کی ناپسندیدگی سے پردہ اٹھایا۔

"اماں مجھے پتا ہے سب۔"

"ساتھ ذیان باپ کی جائیداد میں حصے دار بھی تو ہے۔ زرینہ نہیں چاہتی کہ اسے کچھ دینا دلانا پڑے۔" روبینہ کا لہجہ پر سوچ تھا۔

"میں چھوڑوں گا نہیں خالہ کو انہوں نے اچھا نہیں کیا ہے یہ سب کر کے۔"

"ہاں۔۔۔ زرینہ تو میری ماں جائی ہے اسے اپنی بہن کا بھلا سوچنا چاہیے تھا۔ ذیان کی شادی تمہارے ساتھ

ہو جاتی تو اس کا کیا جاتا۔" روبینہ بہن سے بے حد شاکی اور کبیدہ نظر آ رہی تھیں۔

"خالہ کو تو میں چھوڑوں گا نہیں۔ ساتھ بوا سے بھی پوچھ گچھ کروں گا۔" اس نے خطرناک انداز میں اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

☆ ☆ ☆

وہاب اور روبینہ آپا کے جانے کے بعد زرینہ تینوں بچوں اور بوا سمیت وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بوا اب کیا ہوگا؟ اس وہاب سے نمٹنا آسان نہیں ہے میرے لیے۔" خاموشی میں زرینہ کی پریشان آواز ابھری۔

"وہاب میاں اس معاملے کو یہاں چھوڑنے والے نہیں ہیں، کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔" بوا خود ازحد پریشان تھیں۔

"بوا نے وہاب کا انداز دیکھا؟ کتنی بدتمیزی کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ اس نے تو میرا بھی لحاظ نہیں کیا ہے اور آپا روبینہ نے اسے ذرا بھی نہیں روکا۔"

"چھوٹی دلہن میرا خیال ہے وہاب میاں پھر آئیں گے۔" بوا کا لہجہ تفکر سے بھرپور تھا۔

"میں کیا کروں بوا۔ میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ زیان کے جانے کے بعد یہاں ایسے ایسے مسئلے سر اٹھائیں گے۔"

"چھوٹی دلہن حوصلہ مت ہاریں۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔"

"بوا میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میں امیر علی کے بعد جیسے جلتے سورج کے نیچے آ گئی ہوں۔ پے در پے پریشانیاں، مشکلات اور خوف۔" زرینہ کا لہجہ دل گیر تھا۔

"چھوٹی دلہن آپ سنبھالیں خود کو۔ بچوں کا کیا ہوگا۔ آپ کا ٹھیک رہنا بہت ضروری ہے اور آپ اکیلی تو نہیں ہیں، میں ہر حال میں آپ کے ساتھ ہوں۔" بوا نے حتی الامکان تسلی دی۔

"آپ فکر مت کریں چھوٹی دلہن، جو ہوگا اچھا ہوگا۔" "ان شاء اللہ" جواباً" زرینہ نے دل کی گہرائیوں سے کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر، افشاں بیگم کے ساتھ خود آئے تھے۔ حالانکہ ان کی طبیعت ابھی بھی پوری طرح سنبھلی نہیں تھی، مگر یہ ان کے بیٹے کے رشتے کا معاملہ تھا۔ وہ ازحد خوش تھے۔ خود کو پہلے سے بڑھ کر توانا اور جوان محسوس کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ آئی نوکرانیوں نے مٹھائی کے ٹوکرے، خشک میوہ جات، موسمی پھل اور اس نوع کے دیگر لوازمات اٹھا اٹھا کے اندر لانے شروع کیے تو فریدہ نے فوراً" سے عنیزہ کو مطلع کیا۔ وہ فون پہ بات کر رہی تھیں۔ اسی وقت فون بند کر کے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔

زیان ظہر کی نماز پڑھ کر آئی تو اس نے بھی انواع و اقسام کی سب اشیاء دیکھیں۔ آج تو جہانگیر انکل بھی اس کی یہاں موجودگی میں پہلی بار وہاں آئے تھے۔ اس لیے اسے بہت خوشی ہو رہی تھی۔

"انکل میں بہت خوش ہوں، آپ یہاں آئے ہیں۔" اس نے اپنی خوشی کا اظہار کرنے میں کنجوسی سے کام نہیں لیا۔ ساتھ آئی افشاں بیگم کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ انہوں نے اسے ساتھ لپٹا کے پیار کیا۔ جہانگیر نے اس کا ماتھا چوما۔

عنیزہ کی نگاہ سب سے پہلے ٹوکروں پہ پڑی تو ان کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ اس طرح اتنی ساری سوغات سمیت جہانگیر بھائی اور افشاں بھابھی کا آنا بے سبب نہیں تھا۔ عنیزہ نے جہانگیر بھائی اور افشاں بیگم کی لائی گئی تمام چیزیں نمناں کے سپرد کیں۔ "انہیں رکھوا دو۔" ان کا اشارہ ٹوکروں کی طرف تھا۔ فریدہ کے ساتھ مل کر اس نے سب کچھ اٹھوایا۔ دونوں اس سلسلے پہ باتیں کر رہی تھیں۔ فریدہ اسی گاؤں کی پروردہ تھی، اسے اچھی طرح پتا تھا کہ یہاں مٹھائی اور دیگر چیزوں سمیت کسی کے

گھر جانے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مٹھائی خوشی کے اظہار، مبارک باد اور رشتہ مانگنے کے موقعہ پہ لازمی دی جاتی تھی یہ ان کی دیہاتی رسومات کا حصہ تھا۔

"نیناں تمہیں پتا ہے بڑے ملک صاحب یہ سب کس لیے لے کے آئے ہیں؟" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ وہ خاموشی سے کچھ بولے بغیر اسے تکنے لگی اتنا تو اسے بھی پتا تھا کہ مٹھائی خوشی کے موقعوں کا لازمی جزو ہوتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ بڑے ملک صاحب رشتہ مانگنے آئے ہیں۔" اس نے انتہائی آہستہ سے کہا جیسے کسی کے سن لیے جانے کا ڈر ہو۔

"کس کا رشتہ؟"

"ارے زیان یعنی چھوٹی بی بی کا رشتہ" فریدہ نے جیسے اس کی کم عقلی پہ ماتم کیا۔

"کس کے لیے؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ بڑے صاحب کے لیے کیونکہ چھوٹے صاحب ولایت گئے ہوئے ہیں پڑھنے۔" فریدہ نے اس کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کیا۔ نیناں یعنی رنم کے پھرتی سے چلتے ہاتھ یکدم سست پڑ گئے۔

ایبک کو وہ روز ہی دیکھتی تھی دل ہی دل میں اس نے کئی بار ایبک کی مردانہ وجاہت کو سراہا تھا۔ اس میں وجاہت کے ساتھ وقار بھی تھا ذہن میں اسے دیکھتے ہی ایک لفظ گونجتا پیور۔ ریفائنڈ۔ اس کی باوقار مردانہ وجاہت میں کسی شے کی بھی کمی نہیں تھی۔

ابھی مٹھائی اور دیگر اشیاء کے ٹوکرے اٹھاتے وقت اس نے زیان کو بھی دیکھا تھا۔ اس نے آج بھی بہت مہنگا ڈائیزنر سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ ملک جہانگیر اور افشاں بیگم سے ہنس ہنس کے باتیں کر رہی تھی۔ کھلے بالوں کو بار بار کان کے پیچھے کرتی، سمٹتی وہ سادہ سے روپ میں بھی نیناں کو جانے کیوں شدید قسم کی کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔ ابھی فریدہ نے اپنے قیاس کی بنا پہ جو پیش گوئی کی تھی اس نے اس کی جھنجلاہٹ اور بھی بڑھادی تھی۔

زیان کچھ دیر ہی وہاں بیٹھی۔ افشاں بیگم کے تاثرات بہت معنی خیز قسم کے تھے۔ وہ اٹھ کے باہر نکلی۔ اور چلتے چلتے باغ کی طرف نکل گئی۔

فریدہ اسے تلاش کرتی بھاگنے والے انداز میں چلتی اس کے پیچھے آئی۔

"چھوٹی بی بی آپ کو ادھر بلا رہے ہیں سب" فریدہ کا اشارہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ملک جہانگیر اور افشاں بیگم کی طرف تھا۔ اس کا سانس تیز چلنے اور بھاگنے کی وجہ سے بری طرح پھول گیا تھا۔ چہرے پہ دبا دبا اشتیاق تھا جیسے وہ کچھ کہنے کے لیے بے قرار ہو۔

"ٹھیک ہے جاؤ میں آ رہی ہوں" فریدہ سر ہلاتی واپس چلی گئی۔ اس نے بھی اپنے قدم موڑ لیے۔

زیان آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی واپس رہائشی حصے کی طرف آ رہی تھی جب اس کے پاس سے نیناں بہت تیز رفتاری سے گزری۔ عنیزہ بیگم نے نیناں کے بارے میں اسے تفصیل سے بتایا تھا زیان کو ایک ثانیے کے لیے نیناں بہت اداس اور پریشان محسوس ہوئی تھی۔ وہ ذرا دیر کے لیے بھی اس کے پاس نہیں رکی تھی۔ زیان اس سے کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی اس لیے اس نے نیناں جس سمت میں گئی تھی اس طرف قدم بڑھائے۔ وہ چلتے ہوئے کافی آگے نکل آئی۔ نیناں کہیں نہیں تھی۔ البتہ آگے سے ملک ایبک اسی طرف آ رہا تھا، جہاں زیان کھڑی متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ایبک شاید یہاں اس کی موجودگی کی توقع نہیں کر رہا تھا اس لیے رک گیا۔

"کس کو ڈھونڈ رہی ہیں؟" زیان کو ایسے لگا جیسے ایبک نے اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا ہو۔

"میں نیناں کو دیکھ رہی تھی وہ شاید اس طرف آئی ہے۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔

ایبک دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ زیان اس کی گہری نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا گئی۔ اس کی چھٹی حس بار بار کوئی احساس دلا رہی تھی۔

"آپ کو غیر اہم لوگوں اور واقعات سے دلچسپی کیوں ہے؟" ایبک نے کوئی تبصرہ کرنے یا جواب دینے کے بجائے عجیب سا سوال کر دیا۔ وہ اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ وہ انہی قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ ملک ایبک پہ اسے غصہ آ رہا تھا۔

وہ جیسے ہی سیڑھیاں چڑھ کر رہائشی حصے میں داخل ہوئی سامنے سے آتی عنیزہ اسے دیکھ کر رک گئیں۔ ان کے ساتھ ملک ارسلان بھی تھے۔

"افوہ کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ اندر آؤ رسم کرنی ہے۔ افشاں بھابھی انتظار میں ہیں۔" اس کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے ہی عنیزہ نے اس کا ہاتھ تھاما اور ڈرائنگ روم میں لائیں۔ ملک ارسلان عنیزہ کے ساتھ تھے اس لیے وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔ افشاں بیگم نے اسے پکڑ کر اپنے برابر خالی جگہ پہ بٹھایا۔ ملک جہانگیر اور ملک ارسلان دلچسپی سے ساری کاروائی دیکھ رہے تھے۔

افشاں بیگم نے سرخ رنگ کا بھاری کام سے مزین دوپٹا اس کے سر پہ ڈال دیا۔ یہ دوپٹا ان کی ساس نے ملک جہانگیر کے ساتھ نسبت طے ہونے کے موقع پہ انہیں اوڑھایا تھا۔ اور اب انہوں نے نیک شگون کے طور پہ اور خاندانی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے اسے اوڑھایا تھا۔ ملک جہانگیر نے مٹھائی کی پلیٹ میں سے ایک گلاب جامن اٹھا کر زیان کا منہ میٹھا کروایا۔

"مبارک ہو مبارک ہو" سب ایک دوسرے کو آپس میں مبارکباد دے رہے تھے۔ زیان کے اعصاب حیرت کی زیادتی سے جیسے فریز ہو رہے تھے۔ دماغ جو سمجھ رہا تھا دل اسے قبول کرنے سے انکاری تھا۔

"اب یہ میرے ایبک کی امانت ہے۔ میں بہت جلد اسے لے جاؤں گی دلہن بنا کے۔" افشاں بیگم کا اشارہ یقیناً" زیان کی سمت تھا۔ سرخ کامدار دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرا چھپا ہوا تھا اور زیان گنگ تھی۔

اس کی زندگی کا اہم فیصلہ اس سے پوچھے بغیر کر دیا گیا تھا۔ ایبک کے ساتھ اس کا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ وہ اتنی گئی گزری ہے کہ اس سے پوچھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔

یہ عورت جو اس کی ماں ہونے کی دعویدار ہے وہ اسے اس کی اس حرکت کا مزا چکھا کے رہے گی۔ جس اذیت سے وہ گزری ہے ایسی ہی اذیت سے وہ انہیں بھی گزارے گی۔ اس عورت سے وابستہ ہر رشتے' ہر شخص سے اسے نفرت ہے۔

لیکن وہ الجھ رہی تھی۔ ملک جہانگیر نے اپنا کمزور سا ہاتھ اس کے سر پہ رکھا تو ایک دم امیر علی اس کی نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ وہ ان سے بھلا کیسے نفرت کرے گی' وہ انہیں کیسے اذیت دے پائے گی ان میں تو امیر علی کا عکس ہے۔

باقی سب عنیزہ کے حوالے سے اس کی زندگی میں آئے تھے۔ وہ کسی کو بھی معاف نہیں کرے گی' ہر کام کرے گی جس سے انہیں تکلیف ہو' دکھ پہنچے۔ ان کی اذیت میں اضافہ ہو۔ وہ انہیں کوئی رعایت نہیں دے گی رحم نہیں کرے گی۔" زیان کے چہرے پہ نفرت کی پرچھائیاں تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ الٹے ہاتھ کی تیسری انگلی میں ہیرے کی نازک سی انگوٹھی کا اضافہ ہو چکا تھا جو ملک ایبک کے ساتھ اس کے طے پانے والے رشتے کا واضح اعلان تھا۔ انگوٹھی کو تکتے ہوئے اس کے ہونٹوں پہ زہریلی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اسے بتائے بغیر اچانک اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس کا غصہ اور نفرت حد سے سوا تھی۔

عنیزہ اس رشتے سے بے پناہ خوش تھیں۔ ملک جہانگیر نے جب پہلی بار گھر میں ایبک کی شادی کی بات کی تھی تو ان کا دھیان فوراً" زیان کی طرف گیا تھا۔

ان کے دل نے بے اختیار خواہش کی تھی کہ کاش زیان ان کے پاس ہوتی اور ایبک اس کا نصیب بنتا۔ ایبک ہر لحاظ سے ایک آئیڈیل اور شاندار نوجوان تھا۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوئی اور قدرت نے ان کی یہ خواہش من و عن پوری کر دی۔ وہ بے پناہ خوش تھیں

کیونکہ ذیان نے اب ہمیشہ ان کے پاس رہنا تھا۔ یہ احساس ہی ان کے لیے طمانیت انگیز تھا۔

ذیان نے رشتہ طے ہونے کے بعد کوئی ہنگامہ یا احتجاج نہیں کیا تھا' نہ کوئی باز پرس کی۔ ورنہ ان کا خیال تھا کہ اپنا رشتہ اس طرح طے کیے جانے پہ وہ شکوہ کرے گی۔ عنیزہ توقع نہیں کر پا رہی تھیں کہ افشاں بھابھی اور جہانگیر بھائی اس طرح اچانک ذیان کے لیے سوالی بن کے آئیں گے۔ اس خوشی نے ان کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے تھے۔ انہوں نے ذیان سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اور اس سے پوچھنے کا موقع بھی نہیں تھا ملک ارسلان بھی جوش سے تھے۔ ایبک کو شروع سے پسند کرتے تھے۔ ان کے خیال میں ایبک اور ذیان کی جوڑی شاندار تھی۔

☆ ☆ ☆

ذہان کے بیڈ روم کی لائٹ بند تھی وہ خود ٹیرس پہ تھی۔

"ملک محل" کے دوسرے حصے میں ایبک بھی ٹیرس پہ پڑی کرسی پہ نیم دراز تھا۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ سے وہ تھک چکا تھا۔ انڈسٹریل ہوم کی تعمیر مکمل ہونے کے مراحل میں تھی۔ پھر اس کے بعد وہاں اصل کام کا آغاز ہونا تھا جس کے لیے اسے بنایا گیا تھا۔ گاؤں کی بہت سے عورتیں اور لڑکیاں ہنر مند اور محنتی تھی وہ سب ہی اپنی محنت اور ہنر کے جوہر دکھانے کے لیے بے تاب تھیں۔ ملک ایبک ان کے ہنر صلاحیتوں کے لیے انہیں انڈسٹریل ہوم کی صورت میں پلیٹ فارم دے رہا تھا۔ وہ اپنے گھر کی حالت بہتر بنا سکتی تھیں معیار زندگی اچھا بنا سکتی تھیں' آمدنی میں اضافہ کر سکتی تھیں۔

دن بھر مصروفیات کا وہی عالم رہا تھا۔ پورے دن میں یادگار لمحہ وہی تھا جب اچانک اتفاقی طور پہ ذیان سے سامنا ہوا تھا۔ بابا جان اور افشاں بیگم اس کی اطلاعات کے مطابق ارسلان چچا ہی کی طرف تھے۔ ایبک کے راستے میں آجانے سے اس کے چہرے اور آنکھوں میں غصہ اتر آیا تھا۔ وہ منظر یاد آتے ہی اسے ایک بار پھر ہنسی آئی۔

وہ کھانا کھا کے اوپر آیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا تھوڑی دیر کھلے آسمان تلے بیٹھے۔ کبھی کبھی اچانک جڑ جانے والے تعلق کے بارے میں سوچنا کتنا حسین لگتا ہے ابھی ایبک بھی اسی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ کرسی پہ بیٹھے بیٹھے اس کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھی۔ وہاں آج مکمل اندھیرا تھا شاید آج روشنی سے کوئی پرانا ادھار چکایا جا رہا تھا۔ اندھیرے کے باوجود بھی وہ نسوانی ہیولے کو پہچان چکا تھا۔ چاند کی ہلکی ہلکی سی روشنی چیزوں کی ہیئت اور خدوخال کو واضح کر رہی تھی۔ ذیان ٹیرس پہ ٹہل رہی تھی۔ ایبک کی طرف کے حصے کی تمام لائٹس آن تھیں۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے نیم دراز تھا۔

سر میں کچھ گھنٹے قبل شروع ہونے والا درد' اب شدت اختیار کر چکا تھا۔ بے اختیار اس کے دل میں ایک خواہش ابھری۔ اک دلنشیں اور خوب صورت سی خواہش کہ ذیان اس کے دکھتے سر اور کنپٹیوں کو ہاتھ سے دبائے۔ پھر یقیناً" اس کے سر درد میں افاقہ ہو گا۔ اپنی اس بچکانہ خواہش پہ اسے خود ہی ہنسی آگئی۔

ذیان اسے ٹیرس پہ بیٹھا دیکھ چکی تھی۔ پچھلے پندرہ منٹ سے وہ اسی پوزیشن میں نیم دراز تھا۔ اس نے نگاہ موڑ لی اور ہونہہ کہہ کر رہ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ کرسی سے اٹھا۔ اب ذیان کے سامنے اس کا چہرہ تھا۔ اس نے پشت موڑلی اور کمرے میں آکر دروازہ بند کر لیا۔ پر وہ بند دروازے کے پیچھے اسی کو سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

معاذ اسکائپ پہ سب گھر والوں سے بات کر رہا تھا۔ افشاں بیگم نے ایبک اور ذیان کا رشتہ طے ہونے کی بریکنگ نیوز سنائی تھی۔ وہ ذیان کے "ملک محل" میں آنے کے شاک سے بھی ابھی نہیں سنبھلا تھا۔ کیونکہ اسے عنیزہ چچی کے ماضی کا زیادہ نہیں پتا تھا۔ پھر اس کے سامنے کم کم ہی تذکرہ ہوتا تھا۔ وہ تعلیم کے سلسلے

میں پہلے گھر سے دور رہا' پھر پاکستان سے۔ اس لیے جب اسے بتایا گیا کہ "ملک محل" کے مکینوں میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا ہے اور اضافہ بھی عنیزہ چچی کی بیٹی کا" تو وہ جی بھر کے حیران ہوا۔ پاکستان والوں نے شاید اسے جی بھر کے حیران کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔

"مجھے فورا" میری بھابھی کی فوٹو دکھائیں۔" اس نے افشاں بیگم سے مطالبہ کیا۔

"چھری تلے دم تو لو' ابھی میں ایبک سے کہتی ہوں تمہیں بھیج دے گا۔" اس کی بے قراری پہ وہ مسکرائیں۔

"نہیں' میں بات بعد میں کروں گا پہلے فوٹو دکھائیں مجھے" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

ملک ارسلان نے کیمرے میں ذیان کی اس خاص موقعے پہ بے شمار فوٹو بنائی تھیں۔ وہ کیمرا افشاں بیگم کے پاس تھا۔ نوکرانی ان کی ہدایت پہ ان کے کمرے سے جھٹ پٹ لے آئی۔

"ایبک' معاذ کو ذیان کی فوٹو ابھی بھیجو' پاگلا ہو رہا ہے۔" افشاں بیگم نے کیمرا اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

ایبک' معاذ کے ساتھ بات کرتے ہوئے ذیان کی تصویریں اسے سینڈ کرنے لگا۔ افشاں بیگم جا چکی تھیں لہٰذا ایبک نے بھی بڑے غور سے ذیان کی سرخ دوپٹے والی تصویریں دیکھیں' ہر فوٹو میں اس کے لب باہم پیوست تھے ہلکی سی مسکراہٹ تک کی رمق نہ تھی۔ جھکی آنکھیں اس کے تاثرات چھپانے میں کامیاب ثابت ہوئی تھیں۔ ایبک نے ذیان کی تمام تر فوٹو ایک الگ فو میں سیو کرلیں۔

ذیان کے ساتھ رشتہ طے ہو جانے کے بعد ذیان کے لیے اس کے تاثرات خود بہ خود ہی بہت نرم اور خاص قسم کے ہو گئے تھے۔ اس کے ذہن میں کبھی یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ اس طرح اچانک ایک اجنبی لڑکی اس کی زندگی میں خاص اہمیت اختیار کر جائے گی۔ اسے حویلی آئے ٹائم ہی کتنا ہوا تھا۔

آتے ساتھ ہی اس نے سب کے دل میں جگہ بنالی تھی اور اب تو ایبک کے خیالات پہ بھی وہ اثر انداز ہونے لگی تھی۔

✡ ✡ ✡

ذیان جب سے گاؤں آئی تھی' سوائے ایک بار کے حویلی سے باہر نہیں نکلی تھی۔ صرف ایک بار وہ عنیزہ کے ساتھ شہر شاپنگ کرنے گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا باہر نکل کر گاؤں دیکھے لوگوں سے ملے۔ اس کی یہ بے ضرر سی خواہش عنیزہ اور ارسلان تک پہنچی تو انہوں نے فورا" اسے پورا کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے۔

لینڈ روور میں وہ دو نوکرانیوں اور ڈرائیور کے ساتھ جا رہی تھی۔ گاؤں آنے کے بعد آج پہلی بار وہ حقیقی معنوں میں خوش نظر آرہی تھی۔ گاڑی دو رویہ درختوں والی سڑک سے گزر رہی تھی۔ تاحد نظر سبزا تھا۔ سڑک کے اختتام پر ملک محل کے ذاتی باغات کا سلسلہ شروع تھا جو کافی وسیع رقبے پہ پھیلا ہوا تھا۔

اس کے اشارے پہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ ذیان نیچے اتر آئی۔ نمناں اور فریدہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ ذیان گھوم پھر کے باغ دیکھ رہی تھی۔ یہاں آم کی فصل کاشت کی گئی تھی۔ فریدہ نمناں کے ساتھ مل کر آم جمع کرنے لگی' جبکہ ذیان باغ کے بیچوں بیچ گزرنے والی پانی کی نہر میں پاؤں لٹکا کے بیٹھ گئی۔

گرمی کے موسم میں گھنے درختوں کے سائے میں ٹھنڈا پانی اسے ایک عجیب سے لطف سے ہم کنار کر رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس نے گرمی کی شدت کو کافی قابو میں کیا ہوا تھا۔

ایبک صبح سے باغ میں تھا۔ وہ آج کل روزانہ اس طرف آتا تھا' کیونکہ تھوڑے دنوں تک پھل کو درختوں سے اتارنے کا کام شروع کیا جانے والا تھا۔ وہ باغ کے آخری سرے سے واپس آرہا تھا جب اس کی نظر نمناں پہ پڑی۔ ذیان اور فریدہ کو اس نے بعد میں دیکھا۔ اس کے ساتھ باغ میں کام کرنے والا ملازم بھی تھا اسے واپس بھیج کر وہ کچے راستے سے اوپر ذیان کی سمت آیا۔

فریدہ اور نمناں اسے سامنے دیکھ کر الرٹ ہو گئیں۔ ایبک کا رخ زیان کی سمت تھا۔

"ادھر آنے کا موڈ تھا تو مجھے بتایا ہوتا۔ میں خود لے آتا آپ کو۔" ایبک زیان کے پیچھے درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ خوشگوار موسم اس وقت کچھ اور بھی خوشگوار معلوم ہو رہا تھا۔ زیان کی سفید سفید پنڈلیاں پانی سے جھانک رہی تھیں۔ لمبے بالوں کا آبشار حسب معمول اس کی کمر کو بوسے دے رہا تھا۔ وہ ایبک کی ہونے والی بیوی تھی' وہ اسے اس وقت خاص نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ دل کی دھڑکن اور تال دونوں پہ احساس ملکیت کا تازہ تازہ خمار چھایا ہوا تھا۔

نمناں درخت کی اوٹ میں تھی۔ ایبک اور زیان دونوں اس کی نگاہوں کی گرفت میں تھے اور اس ٹائم زیان کی سمت اٹھی نگاہوں میں بے پناہ نفرت کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"اب تو ہم آگئے ہیں۔" نمناں کو زیان کے اس جملے سے غرور کی بو آئی تھی۔ اس نے ترچھی نگاہ زیان پہ ڈالی۔

پھر ملک ایبک کی سمت دیکھا جو سفید کڑکڑاتے لٹھے کے کرتے شلوار میں ملبوس اپنی تمام تر مردانہ وجاہت کے ساتھ ماحول پہ چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے زیان کے پیچھے درخت کے تنے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ اپنی پشت پہ وہ اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کر چکی تھی پر نمناں کی نفرت سے بھرپور نگاہیں اس سے نہاں تھیں۔

اس نے فوراً" دونوں پاؤں پانی سے باہر نکالے۔ نازک سی سینڈل پاس ہی پڑی تھی۔ اس نے گیلے پاؤں جلدی جلدی سینڈلز میں ڈالے۔

"میں واپس جا رہی ہوں۔" زیان کی مخاطب نمناں اور فریدہ تھی۔ ایبک کو تو اس نے ذرہ بھر اہمیت نہ دی تھی۔ ایبک کی موجودگی میں وہ یہاں ایک پل بھی رکنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

ملک ایبک کو پہلی بار شدید توہین کا احساس ہوا۔ مانا کہ حسن میں ادا نخرا اور بانکپن ہوتا ہے' اپنے ہونے کا غرور ہوتا ہے' پر وہ تو سراسر اس کی مردانہ انا اور عزت نفس کو مجروح کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کا ایبک کے ساتھ رشتہ طے ہو چکا تھا۔ مستقبل قریب میں وہ ایک دوسرے کے جیون ساتھی بننے والے تھے۔ ایسے میں زیان کی بے رخی بیگانگی کی حد سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔

مانا کہ وہ عنیزہ چچی کی بیٹی تھی' پر وہ ان کے ہاتھوں اور گود میں نہیں پلی بڑھی تھی' نہ ان کے زیر سایہ پروان چڑھی تھی۔ "ملک محل" میں ابھی اسے آئے بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے عادات' مزاج اور طبیعت کا بھی ایبک کو خاص اندازہ نہ تھا۔

کہیں ملک جہانگیر نے اس کا رشتہ طے کرنے میں جلد بازی سے تو کام نہیں لیا۔ ایبک اسی پہلو پہ سوچ رہا تھا۔ زیان اسے دیکھتے ہی افراتفری میں یہاں سے گئی تھی' ورنہ وہ اچھے خاصے موڈ میں تھی۔ ایبک کا ارادہ تھا کہ وہ واپس جا کر عنیزہ چچی سے اس سلسلے میں بات کرے گا۔

زیان کے آج کے اس عمل سے اسے اپنی عزت نفس اور خودداری مجروح ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ زیان کے ساتھ آئی فریدہ اور نمناں نے بھی زیان کا یہ انتہائی رد عمل نوٹ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

افشاں بیگم نے ایک نوکرانی کے ہاتھ پیغام بھیج کر زیان کو بلوایا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں ان کے پاس پہنچی کہ جانے کیوں اس طرح پیغام بھیج کر مجھے بلوایا گیا ہے۔ افشاں بیگم ایک نقشین صندوق کھولے بیٹھی تھیں۔

"آؤ آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائیں اور پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ صندوق میں ہاتھ مار کر کچھ نکال رہی تھیں۔ زیان نے دیکھا وہ سونے کے جگ مگ کرتے زیورات تھے۔ انہوں نے ایک جڑاؤ کنگن نکالا اور اس کی کلائی میں پہنا دیا۔

"یہ میرے ایبک کی دلہن کے لیے" انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما "میں نے تمہارے لیے رکھا

تھا۔ کہ بات طے ہو جائے گی تو تمہیں پہناؤں گی۔ لیکن بھول بھال گئی۔ آج ادھر آئی تو یاد آیا" انہوں نے وضاحت کی اور اسے دیگر زیورات دکھانے لگیں۔ ان میں سے کچھ ان کی مرحومہ ساس نے شادی کے موقعے پہ انہیں دیئے تھے۔ اور کچھ ملک جہانگیر نے خریدے تھے' باقی ان کے میکے والوں کی طرف سے تھے۔ افشاں بیگم اسے ساتھ ساتھ زیورات کی تفصیل بتا رہی تھیں' جب ایک سیل فون کان سے لگائے کمرے میں داخل ہوا۔ زیان کو اچانک یہاں اپنے گھر میں دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا مگر بہت جلد اس نے اپنے تاثرات چھپالیے۔

"امی معاذ کا فون ہے لیں بات کریں۔" اس نے سیل فون افشاں بیگم کی طرف بڑھایا۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ زیان کے مقابل بیٹھ گیا۔

"فائن آپ سنائیں؟" وہ رسمی انداز میں بولی۔

"کیا سناؤں؟" وہ بے تکلف ہوا۔ اس سے پہلے کہ زیان کوئی جواب دیتی افشاں بیگم نے سیل فون زیان کے کان سے لگا دیا۔ معاذ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا وہ پہلی بار اس کی آواز سن رہی تھی۔ معاذ شریر اور زندہ دل تھا فون پہ بات کرتے ہوئے اسے چھیڑنے لگا۔ زیان کو تھوڑی دیر میں ہی گھبراہٹ ہونے لگی۔ معاذ کی ہر بات کے جواب میں اس کے منہ سے ہوں ہاں سے زیادہ کوئی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ بہت مشکل سے اس نے اللہ حافظ کہہ کر معاذ کی شرارتوں سے دامن بچایا۔ اب وہ ایبک سے بات کر رہا تھا۔

"بھائی جان آپ نے چپکے چپکے سب کام کر لیے اور مجھے انوائیٹ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" وہ پیار بھرے شکوے کر رہا تھا۔

"چپکے چپکے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ تمہیں بتایا تو تھا کہ سب بہت اچانک ہوا۔ امی نے عین وقت پہ مجھے بتایا" وہ اپنی مخصوص گہری مردانہ آواز میں بولا۔ زیان اس کے مقابل ہی تو بیٹھی تھی۔

معاذ کی آواز بخوبی اس کی سماعتوں تک رسائی حاصل کر رہی تھی۔

"ویسے بھائی جان ہماری بھابھی بہت خوب صورت ہیں میں تو فوٹوگرافس دیکھ کر ہی فدا ہو گیا ہوں۔ لال دوپٹے میں مغلیہ شہزادی لگ رہی تھیں۔ دل کر رہا ہے اڑ کر پاکستان آجاؤں۔ مگر میرے پروگریس ٹیسٹ ہو رہے ہیں' نہیں آسکتا" معاذ کا لہجہ بات کرتے کرتے آخر میں اداس ہو گیا۔

"ڈونٹ وری تم شادی پہ آجانا میں کوشش کروں گا شادی تمہاری چھٹیوں کے دوران ہو۔" ایبک نے معاذ سے بات کرتے ہوئے ساتھ بیٹھی زیان پہ ایک نظر ڈالی تو اس نے بے اختیار پہلو بدلا۔

"بھائی جان میں کیا سن رہا ہوں۔" معاذ حیرت سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ اور شادی کا ذکر! آپ تو شادی کے نام پہ دامن بچاتے تھے...... گریٹ! اس کا مطلب ہے کہ میری بھابھی نے آپ کو تبدیل کر دیا ہے" معاذ کے لہجے میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایبک مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

افشاں بیگم اپنے زیورات کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔

نوکرانی نے چائے کے ساتھ انواع واقسام کی خوردونوش سے بھری ٹرے زیان کے سامنے رکھی تو ایبک نے اسے کھانے کا اشارہ کیا۔

"میں ابھی کچھ دیر پہلے لنچ کر کے آئی ہوں اب کچھ بھی نہیں کھاسکوں گی" اس نے انکار کیا۔

"لیکن یہ سب خاص الخاص اہتمام آپ کے لیے کیا گیا ہے۔" ایبک نے کھانے پینے کی چیزوں کی سمت اشارہ کیا۔

"میں چائے نہیں پیتی۔" اس نے منہ بنایا۔

"لیکن ابھی آپ کو چائے پینی پڑے گی۔" ایبک بولتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بھی نوٹ کر رہا تھا۔ افشاں بیگم زیورات سے نمٹ کر ان کے پاس آکر بیٹھیں' تو زیان نے قدرے سکون کا سانس لیا۔

چائے پینے کے بعد وہ عصر کی نماز پڑھنے میں

مصروف ہو گئیں۔ اب وہاں صرف زیان اور ایبک تھے' وہ جانے کے لیے اٹھی تو ایبک نے اچانک اپنا پاؤں آگے کر دیا وہ گرتے گرتے سنبھلی۔

"بیٹھئے ناں تھوڑی دیر اور" وہ بالکل انجان بنا ہوا تھا۔

"نہیں اب میں گھر جاؤں گی" اس نے مصلحت کے تحت نرمی اپنائی۔ تب ایبک نے اپنا پاؤں راستے سے ہٹایا۔

☼ ☼ ☼
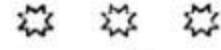
بیناں یعنی رنم لیٹی ہوئی تھی۔ باہر سناٹا طاری تھا۔ کسی بھی قسم کی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے تکیہ دونوں بازوؤں اور ہاتھوں کے مابین سختی سے دبایا ہوا تھا۔ اس کے دانت بھی سختی سے ایک دوسرے پہ جمے تھے جیسے وہ سخت خلفشار اور اذیت کا شکار ہو۔ بات اذیت والی ہی تھی۔ وہ اپنی فضول ضد کے پیچھے گھر بار' سب سہولیات کو ٹھوکر مار کر نکل آئی تھی۔ قسمت کی ستم ظریفی تھی وہ خود مالکن ہوتے ہوئے یہاں اس "ملک محل" میں معمولی نوکرانی کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔ وہ ہرگز مطمئن نہیں تھی۔

جب سے زیان یہاں آئی تھی۔ اس کا سکون جیسے ختم ہو کے رہ گیا تھا۔ رنم کی نگاہوں میں اپنے سوا کوئی کچھ بھی نہیں تھا۔ احمد سیال کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اس نے بہت رعائتیں حاصل کی تھیں۔ پھر رہی سہی کسر بے پناہ دولت اور اختیار نے پوری کر دی تھی۔

گھر' خاندان' یونیورسٹی دوستوں میں ہر جگہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ وہ جیسے کسی ریاست کی بے تاج ملکہ ہو۔ "ملک محل" میں اس کی وہ حیثیت نہیں تھی یہاں کی شہزادی زیان تھی۔ مغرور اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والی بیٹھے بٹھائے یہاں کی مالک بن گئی تھی۔ فریدہ اور دیگر نوکرانیوں نے زیان کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کیے تھے۔ کہ وہ ملک ارسلان کی بیٹی نہیں ہے اور اپنی پیدائش کے بعد پہلی بار حویلی میں آئی ہے۔ کیا قسمت پائی تھی اس نے۔ حویلی آتے ہی سب پہ دھاک بٹھا دی تھی۔ افشاں بیگم اس کے حسن سے متاثر اور ملک جہانگیر اسے بیٹی کے روپ میں دیکھتے۔ ملک جہانگیر کو — وہ یہاں دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ وہ جس دن زیان کا رشتہ مانگنے آئے تب رنم نے انہیں پہلی بار دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ پاپا کے وہی دوست ہیں' جن کا ذکر انہوں نے خاص طور پہ کر کے کہا تھا کہ یہ اپنے بیٹے کے لیے تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور لگ رہے تھے لیکن سو فی صد پاپا کے وہی دوست تھے جن کی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر یہاں پڑی تھی۔

انہوں نے رنم پہ کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اور وہ ایک بار کے علاوہ پھر ڈرائنگ روم میں آئی بھی نہیں۔ وہ اسے دیکھ لیتے تو بھی پہچان نہ پاتے کہ یہ احمد سیال کی بیٹی ہے۔ اسے دیکھ کر تو کوئی بھی نہ پہچان پاتا۔ سراپا وہ بدل گئی تھی۔ رنم کو سو فی صد یقین تھا کہ ملک جہانگیر نے ایبک کے لیے ہی اس کا رشتہ مانگا ہو گا۔ اس ایبک کے لیے' جو غریبوں اور انسانیت کا درد اپنے دل میں رکھتا تھا۔ وہ اپنے طبقے کے عام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی پوری شخصیت سے متاثر کن وقار جھلکتا۔

یہی ایبک زیان کو بغیر کسی کوشش اور محنت کے مل رہا تھا' اسے رنم کی طرح گھر چھوڑ کر در بدر نہیں ہونا پڑا تھا۔ پپا صرف اس کی وجہ سے دنیا سے چلے گئے۔ کاش وہ فضول سی ضد کے پیچھے اپنا گھر نہ چھوڑتی' پاپا کا دل نہ دکھاتی۔ اب وہ لوٹ کر کیسے جائے گی۔ ہمت کر کے چلی بھی جاتی ہے تو کون سا پاپا اس دنیا میں ہیں۔ ہر چیز پہ قبضہ ہو چکا ہو گا' وہ بالکل محروم اور خالی دامن ہے۔ اپنے پاپا کی شہزادی .... نوکرانی بن گئی ہے۔ اسی ملک محل میں نوکرانی بنی ہے' جبکہ قدرت اسے مالک بنانا چاہ رہی تھی۔ بھلا کیا ملا اسے؟ رنم روئے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

انڈسٹریل ہوم مکمل ہو چکا تھا۔ ایبک ارسلان چچا

کی طرف آیا تھا۔ عنیزہ چچی کی بات اسے یاد تھی انہوں نے نیناں کے بارے میں خاص طور پہ مدد کی تلقین کی تھی کہ بے سہارا اور بے آسرا لڑکی ہے، پڑھی لکھی بھی ہے، بہت کام آئے گی۔ یہاں چھوٹے موٹے کاموں میں لگی رہتی ہے تم اسے انڈسٹریل ہوم میں کہیں نہ کہیں لگا دینا۔

وہ عنیزہ چچی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ زیان موٹی سی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی۔ ایبک کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے اپنی توجہ کتاب کی طرف پھیر لی تھی۔ فریدہ، عنیزہ کی ہدایت پہ نیناں کو بلا کے لے آئی تھی۔ اب وہ ملک ایبک کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ اسے انڈسٹریل ہوم کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

"میں دو دن بعد آپ کو لینے آؤں گا آپ چل کر دیکھ لیجئے گا سب کام۔ اگر سمجھ میں آئے تو ٹھیک ہے۔"

"نہیں نہیں میں سب کام سمجھ لوں گی۔" نیناں فوراً" بولی جیسے اس نے ہاں نہ کی تو وہ اپنا ارادہ بدل دے گا۔

"ایبک، نیناں پڑھی لکھی ہے، بہت جلدی سمجھ لے گی" عنیزہ نے بھی اس کی حمایت کی تو زیان نے نظر اٹھا کر نیناں کی سمت دیکھا۔ وہ بے پناہ خوش نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کی واپسی چائے اور دیگر لوازمات سمیت ہوئی۔

اس نے ٹیبل پہ سب کچھ طریقے سے رکھا اور خود بھی ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ ایبک عنیزہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ زیان جو سر جھکائے کتاب میں محو تھی اچانک اس کی نگاہ نیناں کی طرف اٹھی۔ وہ پوری دلچسپی سمیت، ملک ایبک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ نظر بچا کر یہ سب کر رہی تھی پر زیان سے اس کی یہ چوری مخفی نہیں رہ پائی تھی۔

زیان نے دوسری نگاہ ایبک پہ ڈالی جو چائے پیتے ہوئے عنیزہ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا وہ قطعاً" نیناں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ زیان نے دوبارا نیناں کی طرف دیکھا تو گھبرا سی گئی اور فوراً" چلی گئی۔ زیان کو یہ سب عجیب سا لگا۔ اس جذبے کو اس احساس کو وہ کوئی نام نہیں دے پائی۔

☆ ☆ ☆

نیناں، ملک ایبک کے ساتھ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ آج اس نے اپنا سب سے اچھا سوٹ پہنا تھا جو عنیزہ نے ہی اسے دلوایا تھا۔ شکل و صورت ویسے بھی اچھی تھی تھوڑی توجہ سے اور بھی جاذب نظر لگنے لگی تھی۔

ملک ایبک کی شاندار گاڑی میں بیٹھ کر جاتے ہوئے اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ایک بار پھر سے رنم سیال بن گئی ہے۔ کام سٹ یونیورسٹی کا سرسبز گراؤنڈ، اپنی گاڑی، تیز رفتار ڈرائیونگ، سب سے پہلے پہنچنے کی دھن، پھر سے یہ سب اسے یاد آ رہا تھا۔ ایک حسرت نے انگڑائی لی کہ کاش سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔ اس نے چور نگاہوں سے آگے بیٹھے ملک ایبک کی پشت کی طرف دیکھا۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس کے پسندیدہ پرفیوم کی خوشبو پوری گاڑی مہک رہی تھی۔ ہر معاملے میں اس کا ذوق اعلیٰ تھا۔

اسے پتا ہی نہیں چلا گاڑی ایک دم رکی تو وہ اپنے خیالوں سے باہر آئی۔ سامنے خوب صورت سے احاطے میں تازہ پودے لگائے گئے تھے۔ ایبک نے اسے گاڑی سے اترنے کا اشارہ کیا۔ اس کے پیچھے پیچھے چلتی وہ اس تازہ تازہ تعمیر کی گئی عمارت میں داخل ہوئی۔ مشرقی دیوار کے ساتھ ایک کمرا آفس کے طور پہ سیٹ کیا گیا تھا۔ ملک ایبک اسے ساتھ لیے سیدھا ادھر آیا اور کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اب آپ یہاں کی انچارج ہیں، میں یہ سب معاملات آپ کے سپرد کرنے لگا ہوں۔ امید ہے آپ بخوبی سنبھال لیں گی۔ ایک دو دن میں باقی سب سامان بھی آجائے گا۔ ابھی تھوڑی دیر میں انڈسٹریل ہوم میں داخلے کی خواہش مند خواتین اور لڑکیاں آنا شروع ہو جائیں گی۔ آپ نے سب کے نام درج کرنے ہیں، پھر

طریقہ کار اور اصول کے بارے میں بتاتا ہے" وہ اسے انتظامی امور کے بارے میں گائیڈ کرنے لگا۔ نہنال پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ یہ کام اسے بالکل نیا اور دلچسپ لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایبک کے کہنے کے مطابق عورتیں اور لڑکیاں آنا شروع ہو گئیں۔ یہ تعداد خاصی حوصلہ افزا تھی۔ ایبک کچھ دیر وہاں رکا پھر سب کچھ اس کے سپرد کر کے خود شہر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے سلائی کڑھائی کے اس مرکز کے لیے مشینوں اور دیگر اشیاء کی خریداری کرنی تھی ساتھ ایک دو کام بھی نمٹانے تھے۔ نہنال کو چھوڑ کر آنے کے بعد وہ خاصا پر امید تھا کیونکہ وہ اسے کافی سمجھ دار اور جلد سیکھنے والی لڑکی لگی تھی۔ اب وہ شہر میں بغیر کسی پریشانی کے اپنے کام سرانجام دے سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

انڈسٹریل ہوم کا آغاز ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ مشینیں اور دیگر سامان آ چکا تھا۔ عورتوں کی تعداد چالیس ہو گئی تھی۔ ان میں سے دو عورتوں کو نہنال نے سلائی کڑھائی کے شعبے کی انچارج بنا دیا تھا کیونکہ وہ اپنے کام میں ماہر تھیں۔ یہاں کل چھ کمرے تھے۔ ایک کمرا بطور آفس استعمال ہو رہا تھا جبکہ باقی پانچ کمروں کو شعبوں کے لحاظ سے تقسیم کر دیا گیا تھا۔

نہنال، داخلے کی خواہشمند خواتین کا اندراج کرتی اور انتظامی معاملات دیکھتی۔ لڑکیوں عورتوں میں وہ "میڈم" کے نام سے مشہور ہو رہی تھی۔ اس کام میں اسے بے پناہ مزا آ رہا تھا۔ شروع میں وہ ایبک کے ساتھ آتی رہی۔ وہ خود مصروف رہتا تھا اس لیے نرمی سے اسے منع کر دیا کہ وہ روز اسے ساتھ نہیں لا سکتا چنانچہ وہ خود اب آتی جاتی تھی۔

عنیزہ بیگم نے بہت کہا کہ ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ مگر اس نے طریقے سے منع کر دیا اور پیدل آنے جانے لگی۔ مناظر فطرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ آتی اور جاتی۔ وقت گزرنے اور راستہ طے ہو جانے کا پتا ہی نہ چلتا۔

صبح دس بجے تک وہ انڈسٹریل ہوم میں موجود ہوتی۔ شام چار بجے چھٹی ہوتی۔ یہ وقت اس کا بہت اچھا گزرتا۔ اپنا آپ معتبر لگتا۔ ملک ایبک نے تو اس کی کھوئی ہوئی خودداری اور عزت نفس بحال کر دی تھی۔ اب وہ ملک محل میں کام کرنے والی عام سی نوکرانی نہیں رہی تھی بلکہ انڈسٹریل ہوم کی انچارج تھی۔ ملک ایبک نے اس کی معقول تنخواہ بھی مقرر کر دی تھی۔ ہفتے میں ایک دن کی چھٹی تھی۔ طبیعت کی خرابی یا کسی ایمرجنسی کی صورت میں وہ چھٹی کرنے کی حق دار تھی۔

☆ ☆ ☆

معاذ کا سمسٹر ختم ہونے کے قریب تھا وہ پاکستان آنے اور اپنی ہونے والی بھابھی سے ملنے کے لیے سخت بے قرار تھا۔ ادھر ملک جہانگیر، ایبک کی شادی کا پروگرام بنا رہے تھے پر وہ شادی کو موخر کرنے کا بول رہا تھا۔ ابھی بھی اس مسئلے پہ ملک جہانگیر، افشاں بیگم اور ایبک تینوں میں بحث ہو رہی تھی۔

"ایبک اب کس بات کی دیر ہے۔ ماشاء اللہ تم اپنا کما رہے ہو کسی کے محتاج نہیں ہو" افشاں بیگم نے ناراضی سے لاڈلے بیٹے کو دیکھا۔

"امی آپ کو پتا تو ہے کہ میں انڈسٹریل ہوم کے ساتھ اب اسکول کی تعمیر کو بھی مکمل کروانا چاہتا ہوں۔ میں اس کے بعد شادی کروں گا۔" وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"تم پہلے شادی کرو باقی بعد میں چلتا رہے گا" ملک جہانگیر خاصے رسان سے گویا ہوئے۔

"ٹھیک ہے بابا جان میں بات کروں گا اس پہ آرام سے۔" اس نے بحث ختم کرنی چاہی۔ وہ جس وجہ سے شادی کو ٹال رہا تھا۔ افشاں بیگم اور ملک جہانگیر دونوں اس سے لاعلم تھے۔

"جیسے تمہاری مرضی" ملک جہانگیر نے جیسے ہار مان لی۔

"ویسے تمہارا اسکول کب تک مکمل ہوگا؟" افشاں بیگم نے پوچھا۔ "ابھی ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے کمبسم ساجواب دیا۔

☆ ☆ ☆

عنیزہ کی پوری بات سننے کے بعد زیان نے جھکا سر اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں عنیزہ کی طرف اٹھیں۔ ان آنکھوں میں عجیب سی بیگانگی اور سرد مہری تھی۔ ہونٹوں پہ مبہم سی مسکراہٹ رقصاں تھی جسے عنیزہ کوئی معنی پہنانے سے قاصر تھیں۔ زیان انہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دل میں وہ بے پناہ خوش ہو رہی تھی کہ اس کا رویہ اب "ملک محل" میں بسنے والوں پہ اثر انداز ہونے لگا ہے۔ عنیزہ کی حالیہ گفتگو اور فکر مندی اس کے رویے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

"دیکھو میں بہت خوش ہوں۔ تم یہاں میرے پاس آگئی ہو اور ہمیشہ کے لیے میرے پاس رہو گی۔ لیکن تمہیں اپنے اور ایبک کے مابین رشتے کو نہیں بھولنا چاہیے۔ اگر وہ یہاں آتا ہے تو اس کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرو۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتی کہ تم اپنی مشرقیت اور نسوانیت کو فراموش کردو مگر ایبک کو منفی خیالات دل میں لانے کا موقعہ بھی مت دو۔ اس نے مجھ سے بات کی ہے کہ زیان شاید اس رشتے سے خوش نہیں ہے میں نے اسے مطمئن کردیا ہے اور یہ بھی سوچا ہے کہ تمہاری شادی جلدی ہونی چاہیے۔"

زیان نے ان کے آخری جملے پہ بے اختیار پہلو بدلا۔

"جی ٹھیک ہے۔" ہمیشہ روز اول کی طرح وہ مختصراً بولی تو عنیزہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

"تم خوش رہا کرو" انہوں نے پیار سے اس کا سر اپنے کاندھے سے لگالیا تو زیان کے اندر بگولے سے اٹھنے لگے۔

"اور ہاں رات کو تمہارے لیے معاذ کی کال آئی تھی تم سو رہی تھیں میں نے نہیں اٹھایا۔ ہو سکتا ہے آج وہ پھر تمہیں کال کرے۔ اس سے بات کرلینا۔"

اس کے بالوں میں عنیزہ نے ہاتھوں سے کنگھی کرتے ہوئے بتایا۔

"جی ٹھیک ہے کرلوں گی" وہ پھر اسی انداز میں بولی۔ عنیزہ کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں اس کے پاس ایک آدھ جملہ ہی تھا۔ وہ بحث یا تکرار بھی تو نہیں کرتی تھی جو کہا جاتا مان لیتی۔ عنیزہ نے تھک ہار کر نظریں چھت پہ جمادیں۔

☆ ☆ ☆

ملک ایبک' آفس میں نمناں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ کا انڈسٹریل ہوم کیسا چل رہا ہے؟" وہ دوستانہ انداز میں باتیں کررہا تھا۔

"شکر ہے اچھے طریقے سے کام ہو رہا ہے۔" ایبک کے اس طرح اچانک یہاں آنے سے وہ خوش ہوگئی تھی۔

"کوئی مشکل تو نہیں ہے؟"

"نہیں کوئی مشکل نہیں ہے۔" "پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتائیے گا۔"

"جی ایسا ہی ہوگا" وہ سر ہلاتے بولی۔ لان کے خوب صورت پرنٹڈ شلوار قمیض میں ملبوس نمناں کو' ایبک نے غور سے دیکھا۔

"کام کرنے میں کوئی دشواری ہو تو کاری گر عورتوں میں سے آپ کسی کو ساتھ رکھ سکتی ہیں۔"

"کام بہت اچھا چل رہا ہے۔ انڈسٹریل ہوم کی شہرت اردگرد کے دیہاتوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔ چھ لڑکیاں آئی ہیں میرے پاس وہاں سے۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو بہت جلد سب کمرے بھر جائیں گے۔ میں بہت پر امید ہوں لڑکیاں بہت محنت سے کام کررہی ہیں۔"

"ان شاء اللہ ان کو اپنی محنت کا معاوضہ بھی ملے گا۔" ایبک مضبوط لہجے میں بولا۔

"میں بہت خوش ہوں آپ نے مجھے یہاں کام کرنے کا چانس دیا" وہ ممنون لہجے میں بولی تو ایبک ایک

بار پھر اسے دیکھنے پہ مجبور ہو گیا۔ اس نے نیناں کے الفاظ اور لہجے پہ غور کیا۔

"آپ یہاں مطمئن ہیں میرا مطلب ہے اس کام سے؟" ایبک نے اچانک سوال کیا۔

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں مجھے اتنی عزت ملے گی۔ یہ زندگی کا ایک نیا رخ ہے میرے لیے، پر میں خوش ہوں" وہ بہت شائستہ انداز میں بولی تو ایبک ایک بار پھر الجھنے لگا۔ اسے یقین ہونے لگا کہ لان کے عام سے سوٹ میں ملبوس اس کے سامنے جو لڑکی بیٹھی ہے وہ عام سی ہرگز نہیں ہے۔ اس کا لہجہ و انداز' شائستگی سب کچھ اور ہی ظاہر کرتی تھی۔

"ویسے آپ کی تعلیم کتنی ہے کہاں سے پڑھا ہے آپ نے؟"

"میں نے کام .... میرا مطلب ہے گورنمنٹ اسکول سے صرف میٹرک کیا ہے۔" جتنا اچانک سوال تھا اتنا اچانک جواب دیتے دیتے وہ رک گئی اور فوراً" گورنمنٹ اسکول کا نام لے دیا۔ ملک ایبک چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ نیناں نے جس طرح اچانک ہڑبڑا کر جواب دیا وہ اسے شک میں ڈالنے کے لیے کافی تھا۔

"ویسے آپ میٹرک پاس لگتی نہیں ہیں۔" ایبک اسے گہری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کے پہلو بدلا اور گھبراہٹ زائل کرنے کے لیے مسکرانے لگی۔ اسے ایبک کی گہری نگاہوں سے ڈر لگ رہا تھا۔

نیناں یعنی رنم ایبک کے جانے کے بعد گہری سوچ میں گم تھی۔

عنیزہ اور ملک ارسلان اسے ملک محل میں ساتھ لائے تھے۔ اسے گھر میں جگہ دی اس کے ساتھ محبت سے پیش آئے کبھی اسے بے سہارا' بے آسرا نہیں سمجھا نہ تحقیر اور ذلت والا سلوک کیا۔ ان کے اعلا ظرف اور بامروت ہونے کے لیے ان کا نرم رویہ ہی کافی تھا۔ وہ گھر سے ایک معمولی سی بات پہ ناراض ہو کر نکلی تھی۔ اس کی یہ احمقانہ بہادری اور بے وقوفی اسے ہوٹل میں کسی بھی بڑے مسئلے میں پھنسا سکتی تھی اگر ملک ارسلان اور عنیزہ وہاں رحمت کے فرشتے بن کر نازل نہ ہوتے۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ گاؤں لے آئے۔ "ملک محل" کے مکینوں نے اسے پیش آنے والی بہت سے مشکلات سے بچالیا تھا۔ ملک ایبک نے انڈسٹریل ہوم کی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے اس پہ مکمل اعتماد کا ثبوت دیا تھا۔ اب اسے گھر کی پپا کی یاد بھی کم کم آتی۔ اپنی ہٹ دھرمی اور بے وقوفی کو بھی وہ بھول گئی تھی۔

اب اسے ملک ایبک کی ذہانت سے خوف آرہا تھا۔ اگر اس نے نیناں کی اصلیت پکڑلی تو کیا ہوگا۔ اس نے اپنا بالوں کا اسٹائل' لب و لہجہ' پہناوا سب کچھ ہی تو بدل لیا تھا۔ اس کے باوجود بھی جانے کیوں ملک ایبک کو اس پہ شک ہو گیا تھا۔ اپنے اس شک کا اظہار اس نے کسی پہ بھی عیاں نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے نوٹ کر رہا تھا۔ نیناں کا لب و لہجہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ اعلا تعلیمی اداروں میں پڑھتی رہی ہے۔ اس کا انداز' بات چیت' رکھ رکھاؤ ایک ایک بات اس کی چغلی کھاتی تھی کہ وہ بے سہارا یا بے آسرا نہیں ہے۔ عنیزہ چچی نے بھی زیادہ کھل کر کچھ نہیں بتایا تھا۔

☆ ☆ ☆

ملک ایبک زیان کے رویے کی وجہ سے الجھا ہوا تھا۔ عنیزہ چچی کی وضاحت اور یقین دہانی اسے قائل نہیں کرپائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ زیان کی رضامندی جانے بغیر اچانک رشتہ طے ہوا اور وہ ذہنی طور پہ ابھی تک تسلیم نہیں کرپائی ہے۔ اس لیے وہ شادی کو موخر کرنا چاہتا تھا تاکہ زیان بھی تب تک تیار ہو جائے۔

وہ جب بھی ارسلان چچا کی طرف جاتا' زیان اسے دیکھتے ہی سرد سے تاثرات چہرے پہ سجالیتی جیسے باقی دنیا اس کے قدموں میں ہو اور کسی کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ کبھی کبھی اس کے تاثرات میں گرم جوشی بھی جھلک آتی پر ایسا بہت کم ہوتا۔ اکثر اوقات وہ گم صم رہتی۔ ایبک کو دیکھ کر کبھی اس کے تاثرات سے ایسا نہیں لگا کہ وہ اس کی پرسنالٹی' مردانہ وجاہت اور وقار سے متاثر ہوئی ہو۔

اس کے ایک ایک انداز سے "میں ہی میں ہوں" کا اظہار ہوتا ایبک کو کبھی کبھی وہ ناراض بگڑی بچی لگتی۔ اس کی "میں" پہ ایبک کو ہنسی بھی آتی۔ پر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اس کے لیے اپنے دل میں لطیف سے جذبات محسوس کر رہا تھا۔ ان جذبات کو ایبک نے اظہار کی آنچ نہیں پہنچائی تھی ابھی تک۔ لیکن کیا سچ میں زیان اتنی ہی انجان اور لاپروا تھی جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔ ایسا ممکن تھا کہ محبت کی جس میٹھی میٹھی آگ میں نازک جذبوں کی تپش سے ایبک پگھلا جا رہا تھا وہ ان سے لاعلم تھی۔ کیا ایسا ممکن تھا کہ زیان کو کچھ خبر ہی نہ ہو۔ وہ اتنی ہی لاعلم ہو جتنی نظر آ رہی ہو۔

ایبک شادی کے بعد اسے اپنے جذبات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا اس سے پہلے شاید وہ بدک جاتی اگر وہ کچھ ایسا کرتا تو۔ جب وہ قانونی اور شرعی طور پر اسے اپنا بنا لیتا تب اظہار کرنے میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ وہ اپنی محبت اور جذبوں کی طاقت سے اسے پگھلا لیتا۔ زیان شاید لڑکیوں کی اس قسم سے تعلق رکھتی تھی جو انجان بن کر فریق مخالف کی تڑپ سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ ورنہ ملک ایبک نظر انداز کیے جانے کے قابل تو نہ تھا۔ صنف نازک کی جو نگاہیں اس کی طرف اٹھتیں۔ ان میں تعریف ہوتی، ستائش ہوتی۔ اس کی بھرپور مردانہ وجاحت سے متاثر ہونے کا جذبہ ہوتا۔ بس زیان ہی تھی جس پہ اثر نہ ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

ملک ارسلان، عنیزہ قاسم کو انتظار سونپ کر بیرون ملک جا چکا تھا۔ وہ یونیورسٹی سے آ کر بولائی بولائی پھرتی ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام رنگ، خوشیاں، امنگیں ملک ارسلان اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ اسے سچ میں ایسا لگ رہا تھا وہ ملک ارسلان کے بغیر زیادہ جی نہیں پائے گی۔

ادھر قاسم صاحب نے اپنے دوستوں، جاننے والوں سے بیٹی کے رشتے کی پریشانی کا ذکر کیا ہوا تھا۔ وہ چاہ رہے تھے کوئی اچھا سا رشتہ ملے تو دیکھ بھال کر عنیزہ کو اپنے گھر کا کر دیں۔ کیونکہ وہ اب بیمار رہنے لگے تھے۔ اللہ کے سوا کسی کا آسرا نہیں تھا۔ وہ خود اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے ادھر سے بیوی کے میکے میں بھی کوئی خاص رشتہ دار نہیں تھے۔ وہ بھی ان کی طرح اکلوتی تھیں۔ کینسر کے موذی مرض کے ہاتھوں لاچار ہو کر وہ ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں تب سے عنیزہ ان کی زندگی کا محور تھی۔ وہ اس کے لیے ماں اور باپ دونوں کا رول ادا کر رہے تھے۔ اسے تعلیم دلواتے ہوئے یونیورسٹی تک پہنچا دیا تھا اب ان کی دلی خواہش تھی کہ بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے۔ دوستوں، جاننے والوں نے جو رشتے اب تک دکھائے تھے ان میں سے کوئی بھی انہیں اس حد تک پسند نہیں آیا تھا کہ وہ عنیزہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھما دیتے۔ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ غنودگی میں تھی جب اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے بجایا گیا۔ باتیں کرنے کی بھی آواز آ رہی تھی۔ ان میں سے ایک آواز تو عنیزہ کی تھی جبکہ دوسری نامانوس اجنبی مردانہ آواز تھی۔ اس نے دوپٹے کی تلاش میں بیڈ پہ ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ دوپٹا تکیے کے پاس پڑا تھا۔ اس نے اٹھا کر کندھے پہ ڈالا۔ کچھ دیر قبل ہی تو وہ سوئی تھی ابھی سہ پہر کے صرف چار ہی تو بجے تھے لمبے دوپہریں کٹنے کا نام نہ لیتی تھیں تھک ہار کر وہ سو جاتی۔

پتا نہیں اس طرح دروازے پہ دستک دینے والا کون تھا اس نے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا۔ عنیزہ کے ساتھ نوجوان لڑکا کھڑا تھا سرخ و سفید رنگت اور دلکش مردانہ نقوش لیے وہ لڑکا زیان کو دیکھے جا رہا تھا وہ جھینپ گئی تھی کیونکہ اس کا انداز بے پناہ بے تکلفی لیے ہوئے تھا پر عنیزہ بالکل پرسکون نظر آ رہی تھیں۔

"تو یہ ہیں ہماری بھابھی زیان یعنی چاند کا ٹکڑا۔" آنے والے نے بڑی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ خود ہی

پکڑ کر مصافحہ کیا اور پرجوش انداز میں خیر خیریت دریافت کی۔

چند منٹ بعد وہ زیان کے کمرے میں بیٹھا ہنس ہنس کر پاکستان آنے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ یہ معاذ تھا ملک ایبک کا چھوٹا بھائی اس کا ذکر تو اتر سے گھر میں ہوتا تھا۔ زیان کو اس کی بے دھڑک بے تکلفی کا سبب سمجھ میں آگیا تھا۔

"آخری پیپر دے کر میں نے بوریا بستر سمیٹا اور پاکستان بھاگا۔ مجھے اپنی بھابھی سے ملنا تھا۔ امی جان اور بابا سے مل کر سیدھا ادھر آرہا ہوں۔" وہ روانی سے اور مسلسل بول رہا تھا۔

زیان اسے حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔ معاذ ایبک کے بالکل الٹ تھا۔ اس کے آنے سے گھر میں جیسے خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی" ہر سو رونق تھی وہ اپنے نام کا ایک ہی تھا زندہ دل ہنوز سب کا دل خوش کرنے والا۔ اپنی شوخ اور ہر ایک سے جلد گھل مل جانے والی فطرت کی بدولت وہ زیان سے بھی بے تکلف ہو چکا تھا۔ آدھے گھنٹے میں ہی اس سے معلومات حاصل کر کے پوسٹ مارٹم کر چکا تھا۔

نہنال انڈسٹریل ہوم سے فارغ ہو کر گھر لوٹی تو معاذ رونق کا بازار گرم کیے بیٹھا تھا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی معاذ نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"یہ کون ہے۔ جب میں گیا تھا تب تو نہیں تھی۔ کیا کوئی نئی نوکرانی رکھی ہے۔ واہ جی یہاں رہنے والے بڑے باذوق ہو گئے ہیں۔" وہ بے تکان بولے جا رہا تھا۔ عنیزہ نے اس کی چلتی زبان کے آگے بند باندھا۔

"یہ نہنال ہے اور...." عنیزہ اس کے بارے میں ہوٹل میں ملنے والا قصہ گول کر کے باقی سب بتا رہی تھی۔ سن کر اس نے تاسف سے نہنال کی طرف دیکھا۔

"مس نہنال آپ کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا ہے۔" اس کے چہرے کے تاثرات لہجے کا ساتھ دے رہے تھے۔ نہنال اس کی فراٹے بھرتی زبان سے خائف ہو گئی تھی اس لیے دانستہ منظر سے غائب ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر نے معاذ کی آنے کی خوشی میں سب دوستوں اور خاندان والوں کی دعوت کی تھی۔ معاذ صرف چند دنوں کے لیے آیا تھا اسے اپنی ہونے والی بھابھی سے ملنے اور دیکھنے کی جلدی تھی۔ زیان پہلی بار ملک ایبک کے سارے خاندان سے مل رہی تھی۔

پرپل کلر کی میکسی میں ملبوس وہ معاذ ملک کے ساتھ پورے گھر میں گویا اڑتی پھر رہی تھی۔ وہ ایک ایک فیملی ممبر کے پاس لے جا کر اس کا تعارف کروا رہا تھا۔ معاذ نے اپنی بے تکلفی اور بے پناہ خلوص کی بدولت اجنبیت کی بھاری دیوار گرا دی تھی جو زیان نے از خود اپنے اردگرد تعمیر کر رکھی تھی۔ جو کام کوئی نہ کر سکا تھا وہ معاذ نے کر دکھایا تھا۔ زیان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ آج اس کے چہرے پہ سختی اور اجنبیت کی بجائے نرمی اور گرم جوشی تھی۔

ایبک قدرے ہٹ کر الگ تھلگ کھڑا تھا۔ نہنال بھی وہیں چکرا رہی تھی۔ عنیزہ نے اس موقعے کے لیے اسے بہت خوب صورت اور مہنگا سوٹ دلوایا تھا۔ اس سوٹ کو زیب تن کرنے کے بعد وہ قابل توجہ بن گئی تھی۔

نہنال، ملک ایبک کی سمت ایک مخصوص حصے میں موجود گھوم پھر کر چیک کر رہی تھی کہ مہمانوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔

ابھی تک وہ بہت پرسکون تھی کیونکہ ملک ایبک، زیان کے بغیر اکیلا اس طرف کھڑا تھا۔ نہنال کا سارا سکون معاذ غارت کرنے آپہنچا۔ اس نے زیان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ایبک کو تلاش کرتے کرتے وہ سیدھا اس کے پاس آرکا۔

"لیں اپنی امانت۔ میں تعارف کروا کروا کے تھک گیا ہوں باقی کام آپ خود کریں" معاذ نے زیان کا ہاتھ بڑی معصومیت سے ایبک کے ہاتھ میں لا تھمایا اور خود نہنال کی طرف بڑھ گیا۔

"مس نمناں مجھے کچھ پینے کو دیں پیاس سے دم نکلا جا رہا ہے۔" وہ پاس پڑی کرسی پہ گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا جیسے بری طرح تھک گیا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس کی بے باک سی حرکت کا کیا انجام ہوا۔ وہ مزے سے نمناں کی طرف متوجہ تھا جس کی نگاہ بہانے بہانے سے ملک ایبک اور زیان کا طواف کر رہی تھی۔

ایبک نے نظر بھر کر غور سے زیان کو دیکھا وہ آج بہت قریب تھی معاذ کی شرارت سے کچھ سنہرے پل اس کی مٹھی میں قید ہونے جا رہے تھے۔ اس کا گلابی چہرہ سرخ ہو چلا تھا۔ ایبک نے اس کا ہاتھ بڑے زور سے دبایا وہ ہاتھ چھڑانا چاہ رہی تھی پر جانے ایبک کس موڈ میں تھا۔ شاید وہ سارے خاموش جذبوں کو کوئی زبان دینا چاہ رہا تھا۔ زیان اتنے مہمانوں کی موجودگی سے گھبرا رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ کا ناخن ایبک کے ہاتھ کی پشت پہ مارا۔ یہ اس کی طرف سے احتجاج تھا۔ ایبک کی گرفت، پرجوش اور مضبوط تھی کچھ کہتی ہوئی۔

اس کے ہاتھ میں گویا سارے جذبے سمٹ آئے تھے ہاتھ زبان بن گیا تھا۔ زیان بزور طاقت ہاتھ چھڑا کر تیزی سے دور ہوئی اور معاذ کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ نمناں معاذ کے لیے سوفٹ ڈرنک لے آئی تھی۔ معاذ کو گلاس تھماتے ہوئے اس نے ایک نظر زیان پہ ڈالی جہاں خفت اور گھبراہٹ تھی۔ دوسری نگاہ ملک ایبک کی طرف اٹھی جو استحقاق کے سب رنگ سمیٹے زیان کی طرف متوجہ تھا۔ اس کا دل دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ معاذ سے ایبک کی جسارت پوشیدہ نہیں تھی۔

"بھابھی آج آپ نے اپنی نظر اتروا لینی ہے لوگوں کے دل بے ایمان ہو رہے ہیں۔" معاذ نے ملک ایبک لطیف سی چوٹ کرتے ہوئے زیان کو مشورہ دیا تو اسے غصہ آگیا۔ تقریب کے دوران پہلی بار اس کا موڈ آف ہوا۔ ایبک اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

معاذ نے نمناں سے پانی کا گلاس لے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا "مس نمناں آپ تھک گئی ہوں گی۔ دو گھڑی دم لے لیں۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"ویسے آج آپ بہت حسین و جمیل لگ رہی ہیں۔ اچھا آپ کہاں سے آئی ہیں آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں کیا کیا کرتی ہیں آپ؟" معاذ کی فراٹے بھرتی زبان شارٹ ہو چکی تھی وہ نمناں سے بھرپور انٹرویو کے موڈ میں تھا۔ نمناں نے امداد طلب نگاہوں سے پاس کھڑے ایبک کی سمت دیکھا۔ اسے ترس سا آگیا۔

زیان سے اس نے توجہ ہٹالی تھی۔

"معاذ ان کو عنیزہ چچی ساتھ لائی ہیں۔ میرے انڈسٹریل ہوم کا سب انتظام انہوں نے ہی سنبھالا ہوا ہے۔" ملک ایبک نے جواب دیتے ہوئے نمناں کو مشکل سے نکالا۔

"میں آؤں گا انڈسٹریل ہوم دیکھنے باقی بہت سی باتیں وہاں کروں گا۔" معاذ نے جھٹ پٹ آئندہ کا پروگرام دے ڈالا۔ نمناں نے متشکرانہ نگاہوں سے ملک ایبک کی سمت دیکھا تو زیان کے ہونٹوں پہ عجیب سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔ معاذ مسلسل بول رہا تھا اس کی بے تکلفی اور شرارتوں کا نشانہ اب نمناں تھی۔ وہ گھبرا رہی تھی کہ معاذ کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات اس کے منہ سے نہ نکل جائے جو اسے ملک محل کے مکینوں کی نگاہوں میں مشکوک بنا دے۔ اور ملک ایبک کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ یہی نمناں جو رنم تھی کبھی کسی سے نہ دبنے والی نہ ڈرنے والی۔ آج معاذ کے سامنے اس کی بولتی بند تھی۔

تقریب کے اختتام پہ معاذ، زیان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس نے نمناں کو بھی پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پریشان ہو رہی تھی کہ اسے کیوں بلوایا جا رہا ہے۔

"آپ دونوں خواتین تھک گئی ہوں گی اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میوزک سے لطف اندوز ہوں" وہ ایسے بے تکلفی سے بولا جیسے وہ دونوں مل کر اس کے

ساتھ شروع سے ہی موسیقی کی محفلوں میں حصہ لیتی آ رہی ہوں۔ نہناں نے بے چارگی سے معاذ کی سمت دیکھا۔ چلو زیان تو اس کی ہونے والی بھابھی ہے مگر اسے معاذ کس کھاتے میں یہاں تک لایا ہے۔

اگر کوئی برا مان جاتا تو۔ اسے یہی فکر کھائے جا رہی تھی۔

معاذ نے ریحانہ کے دھوم دھڑکے والے سونگز چلا دیے۔ یہ رنم کی فیورٹ سنگر تھی یونیورسٹی جاتے ہوئے وہ اکثر گاڑی میں ریحانہ کو فل والیوم میں سنتی تھی۔ معاذ اب زیان کو اپنی فوٹوز دکھا رہا تھا اس کا ہر فوٹو کی تفصیلات بتاتے ہوئے انداز بیان اتنا دلچسپ تھا کہ زیان ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھی۔ ”مس نہناں آپ کو انگلش آتی ہے“ معاذ نے ایک دم سوال کیا تو وہ بوکھلا گئی۔ ”نہیں تو۔“

”اچھا جس طرح آپ میوزک انجوائے کر رہی ہیں مجھے لگا کہ آپ کو آتی ہو گی۔ ویسے آپ نے پڑھا کتنا ہے؟“

”میں نے بی ایس آنرز کیا ہے“ سچ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ریحانہ کی پرشور آواز میں معاذ نے سنا ہی نہیں۔ اس نے شکر ادا کیا۔ معاذ کی بے تکلفی سے وہ ڈر گئی تھی۔ کیونکہ اس کی پوری توجہ نہناں کی طرف تھی۔ زیان کو جانے کیوں نہناں کی موجودگی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ معاذ اپنی ہانکے جا رہا تھا۔

”میں نے سوچا تھا یہاں آ کر بھائی جان کی شادی کی دعوتیں اڑاؤں گا مگر وہ بھی ابھی میرے نصیب میں نہیں ہیں.... کہتے ہیں ابھی شادی نہیں کرنی۔“ اس نے منہ بنا کر چہرے پہ مصنوعی اداسی طاری کر لی۔ زیان کی آنکھیں سلگ اٹھیں۔

معاذ اپنے بیگ سے زیان کے لیے چاکلیٹس اور دیگر گفٹس نکال رہا تھا۔ معاذ کی بات پہ نہناں کی آنکھوں میں چمک ابھری جیسے اس نے کوئی من پسند بات کہہ دی ہو۔ اب اس کے تاثرات میں دلچسپی تھی۔ معاذ بے دھیانی اور بے تکلفی میں کام کی باتیں کر رہا تھا۔ زیان کاؤچ سے اٹھی۔

”معاذ میں جا رہی ہوں۔ سر میں اچانک درد ہو رہا ہے۔“

”بھابھی اپنے گفٹس تو لے جائیں۔“

”بعد میں لے لوں گی۔“ نہناں نے اسے اٹھتے دیکھا تو وہ بھی معاذ کے کمرے سے نکل آئی۔ وہ آخری سیڑھی پہ تھی جب اس نے ملک ایبک کو اس سمت آتے دیکھا اس کا رخ بھی سیڑھیوں کی طرف تھا۔ نہناں کے آگے بڑھتے خود بہ خود ہی سست پڑ گئے۔

زیان 'معاذ کے روکنے کے باوجود رکی نہیں۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہی تھی جب اوپر کی طرف آتے ایبک سے اس کا ٹکراؤ ہوا وہ ادھر ہی رک گئی تھی کیونکہ ایبک اس کے راستے میں حائل تھا وہ بالکل درمیان میں تھا' دائیں بائیں اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ سائیڈ سے ہو کر نکل جاتی۔ چند ثانیوں کے لیے دونوں کی نگاہیں آپس میں ملیں۔ زیان کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں جیسے وہ اندر ہی اندر کسی کرب کو برداشت کر رہی ہو۔ اس نے فوراً" پلکوں کی چلمن گرائی اور ایبک کو ایک ہاتھ سے پرے ہٹاتے ہوئے نیچے جانے کی کوشش کی۔ اس کے مہکتے رنگین آنچل کا کونہ ایبک کے بازو سے چھو گیا۔ وہ فوراً" سائیڈ پہ ہوا۔ زیان سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ ایبک کو اس کی نگاہوں میں خاموش شکووں کا سیلاب مچلتا نظر آیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہ جیسے ابھی رو پڑے گی اس کی پلکوں کو ہلاتے ہی فوراً" موتی ٹپک پڑیں گے۔ نیچے کھڑی نہناں نے یہ تصادم دیکھا۔ ایبک کی پشت اس کی سمت تھی پر زیان اس کے سامنے تھی۔

اس کی لال لال آنکھوں نے نہناں کو عجیب سی تسکین بخشی تھی۔ وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ایبک نے آخری سیڑھی چڑھ کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ زیان برآمدے سے گزر رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا زیان کے پیچھے جائے۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنی اس خواہش پہ قابو پایا۔ اور معاذ کی طرف بڑھ گیا جو زیان کے لیے لائے گئے گفٹس کو دیکھ رہا تھا۔

”بھائی جان یہ دیکھیں میں نے بھابھی کے لیے

اتنے شوق سے یہ چیزیں لیں نکال رہا تھا انہیں دینے کے لیے کہ چلی گئیں۔" اس نے ایبک کو دیکھتے ہی شکائتی انداز میں کہا۔

"مجھے دو میں خود دے دوں گا" ایبک نے آفر کی۔

"آپ کو دیکھ کر وہ نروس ہو جائیں گی یہ نہ ہو لینے سے ہی انکار کر دیں۔" معاذ شرارت سے ہنسا۔

"نہیں نروس ہو گی تم فکر مت کرو" ایبک نے اسے تسلی دی۔ "آپ ان کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ ڈیولپ کریں گھومیں پھریں لانگ ڈرائیو پہ لے جائیں بھابھی کو۔ ڈنر کریں ایک ساتھ۔ کیونکہ بھابھی مجھے بہت شائے لگتی ہیں۔" معاذ نے مشورہ دیا۔

"تم مجھے اپنے ماحول کے مطابق ایڈوائس دے رہے ہو یہ ہمارا گاؤں ہے کوئی یورپ نہیں ہے۔" ایبک نے اسے سرزنش کی تو اس نے منہ بنا لیا۔

☼ ☼ ☼

آج سامنے والے کمرے کی سب لائٹس آف تھیں۔ کھڑکیاں کھلی تھیں 'کمرے سے اندر مکمل طور پہ اندھیرا تھا۔ ایبک دونوں ہاتھ ریلنگ پہ ٹکائے وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ زیان شاید اس کی ہاتھ دبانے کی جرات کو مائنڈ کر گئی تھی۔

تب ہی تو سیڑھیوں پہ سامنے ہوتے وقت اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔ حالانکہ ایبک نے محض شرارت میں زیان کا ہاتھ دبایا تھا۔ معاذ کی وہ حرکت اچانک اور بے ساختہ تھی اس نے زیان کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں لا تھمایا تھا۔

وہ پہلی بار اتنے قریب آئی تھی کہ ایبک اس کا لمس محسوس کرنے کے قابل ہوا تھا۔ اس کا نازک گلابی مخروطی انگلیوں والا ہاتھ 'ایبک کے ہاتھ کی گرفت میں آ کر جیسے احتجاج کر رہا تھا۔ زیان نے ناخن اس کے ہاتھ پہ مارا تھا۔ ایبک نے ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیا جہاں ناخنوں سے لگنے والی خراشیں بہت واضح تھیں۔ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔ صرف ہاتھ دبانے پہ اسے اتنا تاؤ آیا تھا۔ کیا واقعی وہ اسے ناپسند کرتی ہے؟

ایبک کو رہ رہ کر یہ سوال پریشان کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہاب کے درشت تیور اور دھمکانے والے انداز دیکھ کر بوا اور زرینہ سچ مچ سہمی ہوئی تھیں۔

"مجھے ہر حال میں زیان کا پتا چاہیے خالہ اور یہ مت کہنا کہ مجھے نہیں معلوم" اس کے تاثرات بہت سفاک اور سرد تھے۔

"وہاب میاں ہمیں نہیں معلوم" بوا نے کمزور سے لہجے میں ایک بار پھر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو وہاب غصے سے گھورتا ان کے پاس آ رکا۔

"بڑھیا تم تو خالہ کے ہر راز میں شریک ہو۔ تم مجھے بتاؤ گی کہ زیان کہاں ہے 'کہاں چھپایا ہے تم نے اسے بولو۔" وہاب کا لہجہ بدتمیزی اور سفاکی کو چھو رہا تھا۔

"وہاب بوا کے ساتھ بدتمیزی مت کرنا چھوڑ دو انہیں۔" زرینہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ بوا کے ساتھ اس کا لب و لہجہ بہت نامناسب تھا۔

"تو خالہ تم تمیز سے بتا دو کہ کہاں ہے زیان؟" وہ طنزیہ انداز میں بولتا ان کے قریب چلا آیا۔

"زیان اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے پاس ہے۔" دل کڑا کے انہیں یہ سچ بولنا ہی پڑا ورنہ وہاب سے کچھ بعید نہیں تھا۔

"کیسے گئی وہ اپنی ماں کے پاس۔ یہ ایک دم سے اس کی ماں کہاں سے ٹپک پڑی۔ پہلے کہاں سوئی ہوئی تھی۔"

"اس کی ماں ٹپکی نہیں ہے پہلے سے تھی اور اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔" زرینہ بیگم نے بڑی مشکل سے خون کے گھونٹ پی کر وہاب کا یہ انداز برداشت کیا تھا۔

"جب اس کی ماں آئی تو مجھے کیوں نہیں بتایا کیوں جانے دیا اسے۔ پتا نہیں تھا کہ وہ میرے ہونے والی بیوی ہے۔ اور اس کی ماں کیوں لینے آئی اسے۔ خالو کی وفات کا کس نے بتایا اسے؟" وہاب کے اعصاب غصے سے تن رہے تھے۔

"میں نے بتایا اسے اور زیان کی ماں کو میں نہیں روک سکتی تھی وہ اس کی ماں ہے۔"

"خالہ بڑے خدمت خلق کے شوق چڑھے ہیں تمہیں۔ زیان کو ساری عمر تم نے خون کے آنسو رلایا چین سے ٹکنے نہیں دیا اور اب اچانک انسانیت جاگ پڑی۔ پہلے تو ہمیشہ اسے ماں کے طعنے دیتی رہیں کہ تمہاری ماں ایسی تمہاری ماں ویسی۔" وہاب طنزیہ انداز میں ماضی کا آئینہ زرینہ بیگم کو دکھایا تو وہ نظر چرا گئیں۔

"یہ میرا اور زیان کا معاملہ تھا تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو۔" اندر سے خود کو مضبوط کرتے ہوئے زرینہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔

"میں اعتراض کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ خالہ بتاؤں گا آپ کو۔ پہلے زیان سے نمٹ لوں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"کیا کرو گے تم؟"

"زیان میری ہونے والی بیوی ہے سب سے پہلے جا کر اسے واپس لانا ہے مجھے ایڈریس چاہیے۔"

"ہمیں ایڈریس نہیں معلوم۔ زیان کا سوتیلا باپ خود اسے لینے آیا تھا۔" زرینہ کا لہجہ کافی مضبوط تھا۔

"خالہ مجھے ایڈریس چاہیے ورنہ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پورے گھر کو آگ لگا دوں گا۔" وہ زرینہ کے قریب جا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہا تھا۔ زرینہ بیگم کو معلوم تھا کہ وہاب جو کہتا ہے وہ کرتا بھی ہے۔

"زیان کی ماں کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ نہ اس کا سوتیلا باپ گرا پڑا ہے۔ جاگیردار ہے وہ۔" زرینہ نے اپنے تئیں اسے متاثر کرنے کی کوشش کی۔

"ہاہاہاہا۔۔۔" وہاب نے بے ڈھنگا قہقہہ لگایا۔ "خالہ تمہیں تو زیان کے بارے میں سب کچھ پتا ہے۔"

"ہاں پتا ہے اور اس بھول میں مت رہنا کہ تم وہاں تک پہنچ کر زیان کو واپس لا سکو گے۔"

"خالہ میرا نام وہاب ہے اور زیان میری ہونے والی بیوی ہے۔ اسے کیسے اور کس طرح واپس لانا ہے یہ میرا کام ہے۔ بس مجھے وہاں کا پتا دو۔"

"وہاب میاں، چھوٹی دلہن کو کچھ نہیں معلوم ہوا" زرینہ بیگم کی مدد کے لیے آگے بڑھیں۔

"تو پھر کسے معلوم ہے۔ یہ معلوم ہے کہ زیان کی ماں کوئی معمولی عورت نہیں ہے اس کا باپ جاگیردار ہے۔ بس پتا نہیں معلوم۔" وہ خوفناک طنزیہ ہنسی ہنس رہا تھا۔ زرینہ اور ہوا دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہاب ٹلنے والا نہیں تھا۔ اس نے ایڈریس لے کر ان دونوں کو چھوڑا۔

"خالہ ابھی بہت سے حساب آپ کی طرف باقی ہیں۔ لیکن پہلے زیان والا معاملہ سیٹ کرلوں۔" وہ اب قدرے پرسکون نظر آرہا تھا۔

"خالہ آپ کے اس گھر کی موجودہ مالیت کتنی ہو گی؟" اس نے اچانک سوال کیا تو زرینہ چونک گئیں۔

"مجھے کیا پتا؟" وہ تیکھے لہجے میں بولیں۔

"خالہ اگر اس کو آپ فروخت کردیں تو بہت اچھی قیمت پہ بک جائے گا۔"

"مجھے اپنا گھر نہیں فروخت کرنا یہ میرے بچوں کا ہے۔ آسرا ہے ہمارا۔"

"ٹھیک ہے خالہ آپ اس پہ سوچ لینا۔ میں جارہا ہوں پھر ملاقات ہوگی۔" وہ گیٹ سے باہر نکلا تو زرینہ نے خود دروازہ لاک کیا۔ شکر ہے کہ تینوں بچے اسکول میں تھے ورنہ وہاب کا یہ انداز و تیور دیکھ کر سہم جاتے۔

"بوا اب کیا ہوگا؟ وہاب مردود کی نظر تو اب اس گھر پہ ہے۔" زرینہ کو اب گھر کی فکر لگ گئی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں کہ خاموشی سے یہاں سے نکل چلیں تاکہ وہاب میاں سے جان ہی چھوٹ جائے۔" بوا نے مشورہ دیا۔

"بوا گھر چھوڑ کر جائیں گے تو وہاب کا کام آسان ہو جائے گا۔ وہ اس گھر پہ قبضہ کرلے گا۔" زرینہ بہت فکر مند تھیں۔

"چھوٹی دلہن میری مانیں تو اس گھر کو فروخت کر دیں۔ ورنہ وہاب میاں آپ کو گھر سے بھی محروم کر دیں گے۔"

"بوا آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اس کا شک تو مجھے پہلے سے تھا کیونکہ روبینہ آپا بھی بہانے بہانے سے بہت بار مجھے اپنے گھر رہنے کے لیے کہہ چکی ہیں۔ لیکن کیا کروں میں کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے۔ میں اکیلی عورت کہاں اس گھر کے لیے گاہک ڈھونڈوں گی۔"

"آپ امیر میاں کے وکیل سے بات کریں انہیں اپنی پریشانی بتائیں۔ وکیل صاحب بھلے مانس آدمی لگتے ہیں مجھے۔"

"بوا یہ بات آپ نے اچھی کہی ہے۔ میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی کہ مجھے بیگ صاحب سے رابطہ کرنا چاہیے۔" زرینہ کے لہجے میں ایک دم امید جاگی۔

"میں ابھی بیگ صاحب سے بات کرتی ہوں۔" زرینہ نے سیل فون اٹھا کر وکیل کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

زیان تکیے میں منہ چھپائے خوب اونچی اونچی آواز میں رو رہی تھی۔ تکیے نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا ورنہ اس کی آواز سب کو متوجہ کرچکی ہوتی۔ کمرے میں لگا میوزک سسٹم آن تھا۔ جانے کیوں آج اسے اتنا زیادہ رونا آرہا تھا۔ امیر علی کی وفات کے بعد آج وہ پہلی بار اتنا زیادہ رو رہی تھی۔ کوئی ٹھیس تھی یا پچھتاوا جس کی وجہ سے دل درد کا ٹکڑا بنا ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔

عین جس لمحے وہ رو رہی تھی اسی وقت ملک ایبک عنیزہ سے اسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ کوئی ضروری بات کرنے آیا تھا۔ عنیزہ نے بخوشی اسے زیان کے کمرے میں جانے کی اجازت دی تھی۔ ایبک نے بات ہی ایسی کی تھی وہ خود اب امید و بیم کی حالت میں تھیں۔

زیان کو ایسے محسوس ہوا جیسے دروازے پہ دستک ہو رہی ہے۔ اس نے تکیے سے منہ باہر نکالا۔ واقعی سچ مچ دستک ہو رہی تھی اس کا وہم نہیں تھا۔ اس نے بے دردی سے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں اور دروازہ کھول کر دیکھے بغیر باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے نہیں معلوم کہ کون آیا تھا۔ واش بیسن کا نل کھول کر اس نے لگاتار ٹھنڈے پانی کے چھپاکے ہاتھ بھر بھر منہ پہ مارے۔ باتھ روم کا دروازہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا زیان کے دوپٹے کی ہلکی سی جھلک ایبک کو نظر آئی۔ کمرے میں اداس آواز بکھری ہوئی تھی جیسے پوری فضا سوگ منا رہی ہو۔

ایبک شدت سے زیان کے باہر آنے کا منتظر تھا۔ چند لمحے بعد منہ ہاتھ دھو کے فارغ ہونے کے بعد وہ باہر نکلی تو سچ مچ ملک ایبک کو سامنے دیکھ کر پچھتائی۔ ایبک اس کی شدت گریہ سے لال آنکھیں دیکھ چکا تھا پھر گانے کے اداس سے بول۔ ملک ایبک کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ اس کے روم میں آئے۔

☆ ☆ ☆

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)